www.urducouncil.nic.in

جولائی 2026 ، قیمت :- 15 ₹

ماهنامه

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly **BACHON KI DUNIYA**, New Delhi

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ اردو دنیا

Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

اس رسالے میں علم و ادب، تاریخ، تہذیب، صحافت، سائنس، سماجیات، تراجم سے متعلق اہم مضامین اور نئی کتابوں پر تبصرے شامل کیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ کونسل کی سرگرمی اور دنیائے علم و ادب اور تہذیب و ثقافت سے متعلق 'خبر نامہ' بھی پیش کیا جاتا ہے۔

فی شمارہ: 25 روپے، سالانہ: 240 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

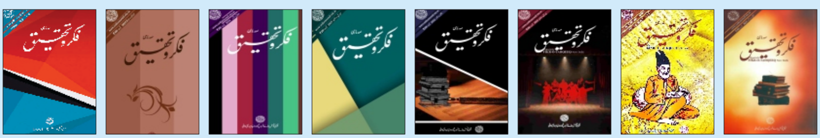

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ۔ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندوستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہم سے رابطہ کیجیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159

E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

جلد: 14 شمارہ : 07 جولائی 2026

مدیر : ڈاکٹر شمس اقبال

مدیر منتظم : ڈاکٹر شمع کوثر یزدانی

نائب مدیر : نہاں

معاون مدیر : ڈاکٹر فیضان الحق

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان
وزارتِ تعلیم، محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی-110025
فون: 011-35151992
شعبہ ادارت: 011-35152009
ای میل
bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in
ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

مطبع: میکاف پرنٹرس، B-127، سیکٹر 65، نوئیڈا- 201301 (یوپی)

قیمت: -/15 روپے، سالانہ : -/145 روپے

قلمکاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل
اوراس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت

ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم
نئی دہلی- 110066
فون: 011-26109746
ای میل: sales@ncpul.in

علاقائی مرکز: 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 5-1، پتھرگٹی، حیدرآباد- 500002
فون: 040-24415194

اس شمارے میں

اداریہ	مدیر	04
ڈاک خانہ	قارئین	05
کثیر لسانی ہندوستان		
سی بی ایس ای کا سہ لسانی فارمولا ایک مثبت اور تاریخی قدم	پدم شری چامو کرشن شاستری، ترجمانی: ڈاکٹر شمس اقبال	07
مضامین		
سوشل میڈیا اور بدلتا ہوا معاشرہ	زکی انور انصاری	12
ہندوستانی ریلوے : کل، آج اور کل	پروانہ برہانپوری	15
نظمیں		
کسانوں کا گیت	جگن ناتھ آزاد	19
چھٹیاں کیسے گزاریں	محمد رفیع انصاری	20
تھک جاتا ہوں	محمد وزیر عالم	21
کباڑی چاچا	فہیم احمد	22
بادل	وقیع منظر	23
کتابیں دوست ہیں میری	نعیم خان نعیم اکوٹوی	24
چھوئی موئی	عقیل احمد ندوی سیفی	25
کہانیاں		
توڑ و آ گئے تو	محمد قمر سلیم	26
شرارت چھوڑ دی اس نے	تنویر اختر رومانی	29
بات ایک سیلاب کی	اصلاح عصری صابری	32
ابو جان کی کمائی	ٹی این بھارتی	34
باتصویر کہانی		
انوکھے شکاری (قسط 1)	شمس الاسلام فاروقی	37
سائنس		
ہم اور ہمارے سمندر	سید شمیم احمد مدنی	43
صحت		
MIS-C، بچوں میں نئی بیماری	احفاظ الحق انصاری	47
تعارف و تبصرہ		
حیرت انگیز کارنامے	نعیمہ جعفری پاشا/ام حبیبہ	51
زبان شناسی		
لفظوں کی پہچان	محمد اسد اللہ	53
ملتے جلتے الفاظ	سید بدر الحسن	56
جنرل نالج		
تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات	ادارہ	58
ننھے فنکار		
سیلفی کے فوائد و نقصانات	ادیبہ معز سید	59
پینٹنگ		61

نئی روشنی

پیارے بچو! جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ دنیا کی کسی بھی زبان کو سیکھنے کے لیے اس زبان کے حروف کی پہچان ضروری ہے، بغیر اس کے اپنی پسند کی زبان سیکھنا ناممکن ہے۔ بھارتیہ بھاشاؤں کو سیکھنے کے بھی وہی اصول ہیں جو بقیہ زبانوں کے ہیں۔ متعین کردہ حروف کو ہر زبان میں کوئی نہ کوئی نام دیا گیا ہے۔ اردو زبان میں اسے حروف تہجی کہتے ہیں۔ اردو میں حروف کی درست پہچان اس لیے بھی ضروری ہے کیونکہ اس زبان میں بہت سے ایسے الفاظ ہیں جو ہم آواز ہیں، یعنی بولتے وقت ایک ہی جیسے معلوم ہوتے ہیں مگر ان کی لکھاوٹ اور معانی میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔

پیارے بچو! آپ کو معلوم ہوگا کہ کچھ دہائی قبل مکاتب میں اساتذہ حروف کی پہچان کے لیے تختیوں اور سلیٹ پر مشق کراتے تھے۔ جب صحیح طور پر حروف کی مشق ہوجاتی تھی، تب حروف کو ملا کر لکھنے اور پڑھنے کے طریقے بتاتے تھے، اس کے بعد دھیرے دھیرے بچہ لکھنا، پڑھنا اور بولنا سیکھ جاتا تھا۔

بچو! حروف کی پہچان اور الفاظ کو ملا کر لکھنے اور بولنے کے ساتھ جملوں کو بامعنی اور عمدہ بنانے کے لیے قواعد یعنی گرامر کا جاننا بھی ضروری ہے، مثلاً اسم فعل، واحد جمع، مذکر مونث، موصوف صفت وغیرہ ایسا اس لیے کہ بعض الفاظ کے کئی کئی معانی ہوتے ہیں۔ ایسے میں جب تک آپ قواعد سے واقف نہیں ہوں گے تب تک ان الفاظ کو جملوں میں درست طریقے سے استعمال کرنا مشکل ہوگا۔ اس بابت اس شمارے میں محمد اسداللہ صاحب کا ایک مضمون 'لفظوں کی پہچان' کے عنوان سے شامل ہے، جس میں اس طرح کے کچھ الفاظ مثال کے لیے پیش کیے گئے ہیں تاکہ قارئین اس تعلق سے کسی شک میں نہ پڑیں۔

بچو! ملتے جلتے الفاظ کے درمیان فرق اور ان کے معانی و مفاہیم کو سمجھنا بھی ایک مشکل کام ہے، مثلا اساس / اثاث، عاری/ آری، عاصی/ آسی، زکریا/ ذکریا وغیرہ۔ یہ الفاظ سننے میں تو یکساں معلوم ہوتے ہیں مگر لکھاوٹ اور معانی میں واضح فرق دیکھنے کو ملتا ہے۔ اردو زبان میں اعراب کا مسئلہ بھی بہت اہم ہے۔ زبر، زیر اور پیش کے فرق سے لفظ کے معانی و مفاہیم بدل جاتے ہیں۔ مثلاً اِعراب/ اَعراب، اِشکال/اَشکال/عِلم/عَلم وغیرہ۔ الفاظ کی ادائیگی اور اس کو سمجھنے میں 'تلفظ' کا کردار بھی بہت اہم ہوتا ہے۔ اس لیے اس پر بھی توجہ دینے کی سخت ضرورت ہے۔ تلفظ کی باریکیوں کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے اس شمارے میں 'ملتے جلتے نام' کے عنوان سے بدر الحسن صاحب کا ایک مضمون ان کی کتاب 'صحت الفاظ' سے منتخب کیا گیا ہے۔

بچو! ہمیں اپنی پسند کی زبان سیکھنے کے ساتھ دوسری بھارتیہ بھاشاؤں کو بھی سیکھنا چاہیے، اس سے ہمیں دوسری زبان بولنے والوں کی تہذیب وثقافت سے بھی آشنائی ہوگی اور روزگار کے نئے مواقع بھی ملیں گے۔ حال ہی میں CBSE کے ذریعے بھارتیہ بھاشاؤں کے تعلق سے اٹھایا گیا قدم قابل تحسین ہے، جس میں انھوں نے نویں کلاس سے R1، R2 اور R3 کے تحت سہ لسانی فارمولا پیش کیا ہے، یعنی اب دو بھارتیہ بھاشائیں پڑھنی ضروری ہیں، تیسری بھاشا کے طور پر کوئی بھی زبان لے سکتے ہیں۔ اس پہل سے طلبہ کو اپنی مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنے کا سنہرا موقع بھی مل جائے گا۔ اس حوالے سے پدم شری چاموکرشن شاستری کا بہت اہم اور مفید مضمون 'سی بی ایس ای کا سہ لسانی فارمولا: ایک مثبت اور تاریخی قدم' اس شمارے میں شامل ہے۔ سہ لسانی فارمولے کے تعلق سے جو غلط فہمیاں طلبہ اور ان کے والدین میں پائی جارہی ہیں، یہ انھیں بھی دور کرتا ہے۔

آپ کا

ڈاک خانہ

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کا شمارہ جون 2026 موصول ہوا،مشمولات کے تنوع اور خاص گوشوں کی جہات نے کافی متاثر کیا۔

اداریہ ماحولیات سے متعلق ہے جس میں جدید دور کے برق رفتار وسائل پر گفتگو کے ساتھ ماحولیات کی اہمیت، افادیت اور چیلنجز کو بھی نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس کی قرأت سے بصیرت میں اضافہ ہوسکتا ہے۔ ڈیجیٹل آلات اور اس کے مثبت استعمال پر مبنی وزیر تعلیم حکومت ہند کی گفتگو بہت ہی معنی خیز ہے۔ یہ گفتگو ٹائمس آف انڈیا میں شائع ہوئی تھی جس کا ترجمہ ڈاکٹر فیضان الحق نے کیا ہے۔ اس میں بہت ہی اہم پہلوؤں کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے، جس کی رہنمائی میں یقیناً ڈیجیٹل آلات کو موثر طریقے سے عمل میں لایا جاسکتا ہے۔

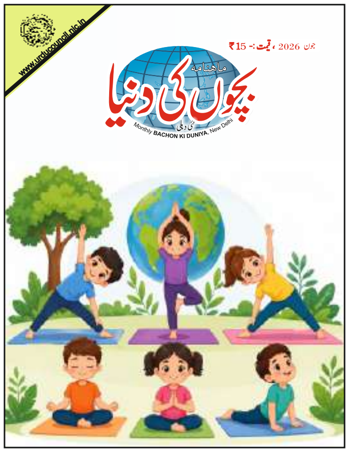

بین الاقوامی یوم یوگ کی مناسبت سے ایک گوشہ بنایا گیا ہے جس میں دو مضامین شامل ہیں جو یوگا کے حوالے سے اہم ہیں۔ اس لیے کہ موجودہ دور میں جب انسان ذہنی تناؤ، ڈپریشن اور فرسٹریشن کا شکار ہے جو بلاشبہ مادی وسائل کے غیر معمولی استعمال اور فطرت سے دوری کی وجہ سے ہے، ایسے میں یوگا روحانیت و مادیت کی آمیزش کی شکل میں ایسے تصور کے طور پر سامنے آتا ہے جس میں ذہنی و جسمانی دونوں طرح کے فائدے پوشیدہ ہیں۔ اس لحاظ سے رسالے میں شامل اس گوشے کی معنویت مزید بڑھ جاتی ہے۔ اسی طرح بین الاقوامی یوم ماحولیات کی مناسبت سے بھی ایک گوشہ شامل ہے جس کے مشمولات شعری ونثری دونوں طرح کے ہیں جن سے ماحولیات کی شقوں پر اچھی روشنی پڑتی محسوس ہوتی ہے، ان کے علاوہ نظمیں، کہانیاں، باتصویر کہانی، سیر وسیاحت، سائنس، صحت، کھیل کھلاڑی، تعارف وتبصرہ، جنرل نالج اور پینٹنگ، رسالے کے وہ حصے ہیں جو اپنی اہمیت کے پیش نظر رسالے کی وقعت میں اضافے کا باعث ہیں۔

مجموعی طور پر بچوں کی دنیا شمارہ جون 2026 اپنے سابقہ شماروں کی طرح کافی دیدہ زیب اور اہم ہے جس کے لیے رسالے کے مدیر اور ان کی پوری ادارتی ٹیم کو دل کی گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

فیصل اشتیاق، ہارون نگر، پھلواری شریف پٹنہ

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' مئی 2026 کا شمارہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ اس شمارے میں بچوں کی بہادری پر کوئی مضمون

شامل ہے۔ خواجہ عبدالمنتقم صاحب نے 'بہادر بچوں کے کارنامے' میں ان تمام بچوں کی بہادری اور ان کے حوصلے کا ذکر کیا ہے جنھیں حکومت ہند نے ایوارڈ دے کر ان کی عزت افزائی کی ہے۔ ان میں سے بعض بچوں نے اتنے بڑے کارنامے انجام دیے ہیں، جنھیں سن کر اور پڑھ کر رشک آتا ہے، بعض ایسے بچے ہیں جنھوں نے اپنی ننھی جان کی پروا کیے بغیر دوسروں کی جان بھی بچائی۔ مضمون کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ ان بہادر بچوں کی تصویریں بھی شائع کی گئی ہیں۔ مضمون کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ''بچوں کے لیے سب سے اعلیٰ بہادری کے اعزاز نیشنل بریوری ایوارڈ کا آغاز کونسل برائے بہبود اطفال نے کیا تھا۔ اس ایوارڈ کا بنیادی مقصد کم عمری میں جان کی پرواہ کیے بغیر دوسروں کی جان و مال کی حفاظت کرنے والے بچوں کی حوصلہ افزائی کرنا اور معاشرے میں جرأت، ایثار اور فرض شناسی کی قدروں کو فروغ دینا تھا۔''

دوسرا مضمون 'ذمہ دار شہری بننے کے رہنما اصول اور بچے' ہے جسے نوی رضا خان نے لکھا ہے، یہ مضمون بھی بہت اہم ہے۔ ایک ذمے دار شہری کے کیا کیا اصول ہیں، بچوں کو دھیان میں رکھتے ہوئے پوائنٹ وائز ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ احتشام تمیز کا مضمون 'بدلتا دور اور بچے' بھی وقت کے لحاظ سے عمدہ مضمون ہے۔ اس شمارے میں آٹھ نظمیں شامل کی گئی ہیں جو اپنے اپنے موضوع پر بہت اہم ہیں۔ اس کے علاوہ پانچ کہانیاں: نئی کالونی (ادریس صدیقی)، بوڑھا گدھ (انیس اعظمی)، بس پانچ منٹ (یاسمین اختر)، حوصلے کی چمک (مصباح انصاری) اور ماں (انور ہادی جنیدی) بھی اس شمارے میں شامل ہیں۔ ساری کہانیاں نصیحت آموز ہیں، بالخصوص بوڑھا گدھ بہت اچھی اور نصیحت آموز کہانی ہے، اس کہانی کا مطالعہ بچوں کو ضرور کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ بقیہ تحریریں بھی لائق مطالعہ ہیں۔

محمد حمدان، غفار منزل، جامعہ نگر، نئی دہلی

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' اپریل 2026 کا شمارہ میرے ہاتھوں میں ہے۔ اس رسالے سے مجھے عجیب وغریب انسیت ہوگئی ہے۔ آئندہ شمارے کا ہمیشہ انتظار رہتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ 'بچوں کی دنیا' رسالہ پڑھنا میری عادت ہوگئی ہے۔ اس کے مشمولات سے ہمہ جہت آگہی ملتی ہے۔ جہاں تاریخی واقعات وحقائق سے آگاہی ہوتی ہے وہیں انسانوں اور جانوروں سے ہمدردی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ خاص طور سے نظموں میں ایسے ایسے نکتے اور تمثیلی قصے سموئے ہوتے ہیں کہ ایک نرم دل انسان تادیر متاثر رہتا ہے۔

سائنس سے متعلق مضمون بھی نئے نکات پیش کرتا ہے۔ اخلاقیات پر مبنی مضامین بھی ہوتے ہیں جیسے ثمینہ بانو کا مضمون 'سچ اور جھوٹ' اچھا مضمون ہے۔ عید کے موقعے پر تین نظمیں شامل کی گئی ہیں اور تینوں اچھی ہیں۔ نظم 'علم کی دولت' علم کی قدر و قیمت کو واضح کرتی ہے۔ یہ نظم صاحب علم اور علم سے خالی انسان کے فرق کو واضح کرتی ہے کہ دنیا میں علم کی وجہ سے انسان کے اندر کتنا فرق ہوتا ہے۔

وسیم سعید کا مضمون 'کتب خانے اور مطالعے کی تہذیب' بہت اچھا مضمون ہے، اس سے انسان کے اندر شائستگی و تہذیب پیدا ہوتی ہے۔ گویا 'بچوں کی دنیا' رسالہ پڑھ کر ایک اچھا انسان بنا جاسکتا ہے۔ میری گذارش ہے کہ سدا یہ رسالہ ترقی کرتا رہے۔

فردوس بانو فلاحی، گلمرگ اپارٹمنٹس، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی

سی بی ایس ای کا سہ لسانی فارمولا ایک مثبت اور تاریخی قدم

تحریر: پدم شری چامو کرشن شاستری
چیئرمین، بھارتیہ بھاشا سمیتی، نئی دہلی

ترجمانی: ڈاکٹر شمس اقبال

تکنیکی اعتبار سے دیکھا جائے تو سینٹرل بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن (سی بی ایس ای) ہندوستان کا سب سے قدیم ثانوی تعلیمی بورڈ ہے۔ اس کی تاریخ 1929 سے شروع ہوتی ہے، جب اسے بورڈ آف ہائی اسکول اینڈ انٹرمیڈیٹ ایجوکیشن، راجپوتانہ کے نام سے قائم کیا گیا تھا۔ تاہم اس سے بھی پہلے 1921 میں یوپی بورڈ آف ہائی اسکول اینڈ انٹرمیڈیٹ ایجوکیشن وجود میں آچکا تھا، اور کئی اعتبار سے سی بی ایس ای اسی ابتدائی یوپی بورڈ کی توسیع اور ارتقائی شکل سمجھا جا سکتا ہے۔ بعد ازاں 1952 میں اس کا نام تبدیل کر کے سینٹرل بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن رکھا گیا اور 1962 میں اس کی تشکیل نو کی گئی تا کہ مرکزی حکومت کے ان ملازمین کے بچوں کو معیاری تعلیم فراہم کی جا سکے جن کی ملازمت کی نوعیت کے باعث مختلف شہروں اور ریاستوں میں تبادلے ہوتے رہتے ہیں۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ ادارہ تقریباً ایک صدی سے ملک کی تعلیمی ضروریات پوری کرنے میں مصروف ہے۔

شاید یہ دنیا میں اپنی نوعیت کا سب سے بڑا اسکولی تعلیمی بورڈ بھی ہے۔ سی بی ایس ای کے اپنے اعداد و شمار کے مطابق جون 2024 تک ہندوستان میں اس سے وابستہ اسکولوں کی تعداد 29,340 تھی، جبکہ بیرونِ ملک 25 ممالک میں 257 اسکول اس کے دائرہ کار میں شامل تھے۔ ان اداروں میں 1,247 کیندریہ ودیالیہ، 648 جواہر نوودیہ ودیالیہ، 5,280 سرکاری اور امدادی اسکول شامل ہیں، جن میں دہلی حکومت کے متعدد اسکول، مختلف کستوربا گاندھی بالیکا ودیالیہ اور مُرارجی دیسائی رہائشی اسکول بھی شامل ہیں جو سی بی ایس ای سے ملحق ہیں۔ اس کے علاوہ 14 سینٹرل تبّتی اسکول اور 22,408 آزاد یا نجی تعلیمی ادارے بھی اس سے وابستہ ہیں۔ پورے ملک میں اس کے 18 علاقائی دفاتر قائم ہیں جبکہ ایک علاقائی دفتر دبئی میں بھی کام کر رہا ہے۔

یہ بورڈ صرف بڑے شہروں تک محدود نہیں بلکہ دیہی علاقوں، قصبوں اور چھوٹے شہروں تک بھی اپنی رسائی رکھتا ہے۔ اس کا دائرۂ اثر ہندوستان کی سرحدوں سے نکل کر خلیجی ممالک، جنوب مشرقی ایشیا اور دیگر خطوں تک پھیلا ہوا ہے۔ ان ہزاروں اسکولوں کے پیچھے لاکھوں اساتذہ، انتظامی کارکنان اور غیر تدریسی ملازمین کام کر رہے ہیں۔ میں یہ اعداد و شمار اس لیے پیش کر رہا ہوں کیونکہ یہ سی بی ایس ای کے حجم، اثر اور وسعت کو واضح کرتے ہیں، ایک ایسی حقیقت جسے اس کے ناقدین اکثر نظر انداز کر دیتے ہیں۔

اگر سی بی ایس ای کے داخلی لسانی ڈھانچے پر نظر ڈالیں تو ایک نہایت دلچسپ حقیقت سامنے آتی ہے۔ اس کے اساتذہ کثیر اللسان ہیں، طلبہ بھی متعدد زبانیں بولتے ہیں اور اکثر غیر تدریسی عملہ بھی مختلف زبانوں سے واقف ہوتا ہے۔ نصابی کتب اور تعلیمی مواد بھی کئی زبانوں میں دستیاب ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ لسانی تنوع کے اعتبار سے شاید ہندوستان کا کوئی دوسرا تعلیمی بورڈ سی بی ایس ای کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ خواہ ہم طلبہ کی بات کریں، اساتذہ کی، غیر تدریسی عملے کی یا نصابی مواد کی، ہر سطح پر زبانوں کا ایک وسیع اور رنگا رنگ منظرنامہ دکھائی دیتا ہے۔ اسی لیے لسانی تنوع سی بی ایس ای کے لیے کوئی نئی یا غیر معمولی چیز نہیں بلکہ اس کے روزمرہ کے نظامِ کار کا لازمی حصہ ہے۔

سی بی ایس ای کے اس کثیر لسانی مزاج کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ مرکزی حکومت کے بہت سے ملازمین کی طرح نجی شعبے سے وابستہ خاندان بھی مسلسل ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ جب ایسے والدین اپنے بچوں کو ایسے علاقوں کے اسکولوں میں داخل کراتے ہیں جہاں مقامی زبان ان کی گھریلو زبان سے مختلف ہوتی ہے، تو ایک ایسا تعلیمی بورڈ جو کئی دہائیوں سے اس طرح کی آبادی کی ضروریات پوری کر رہا ہو، اس کے لیے ممکن نہیں کہ وہ کسی ایک نمایاں زبان کو ترجیح دے اور دوسری زبانوں کو نظر انداز کر دے۔ اسے ملک کی تمام زبانوں کے لیے مساوی مواقع پیدا کرنے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سی بی ایس ای نے 45 زبانوں پر مشتمل ایک ایسا نظام تشکیل دیا ہے جس میں ہندوستان کے آئین میں درج تمام 22 زبانیں بھی شامل ہیں۔

سی بی ایس ای کی مقبولیت اور اعتبار کا ایک اہم سبب یہی وسیع النظری اور لسانی تنوع ہے۔ آج ملک کے طول و عرض میں سی بی ایس ای سے وابستہ اسکول والدین اور طلبہ کے لیے ایک پسندیدہ انتخاب بن چکے ہیں۔

> جب سی بی ایس ای کسی نئی تعلیمی پالیسی یا نصابی تبدیلی کا اعلان کرتا ہے تو اس کے اثرات صرف اس کے اپنے اداروں تک محدود نہیں رہتے بلکہ پورے ملک کے تعلیمی منظرنامے پر مرتب ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب سی بی ایس ای نے سہ لسانی فارمولے (Three-Language Policy) کے نفاذ کا فیصلہ کیا تو یہ محض ایک انتظامی تبدیلی نہیں بلکہ ایک قومی سطح کا تعلیمی مشن بن گیا۔

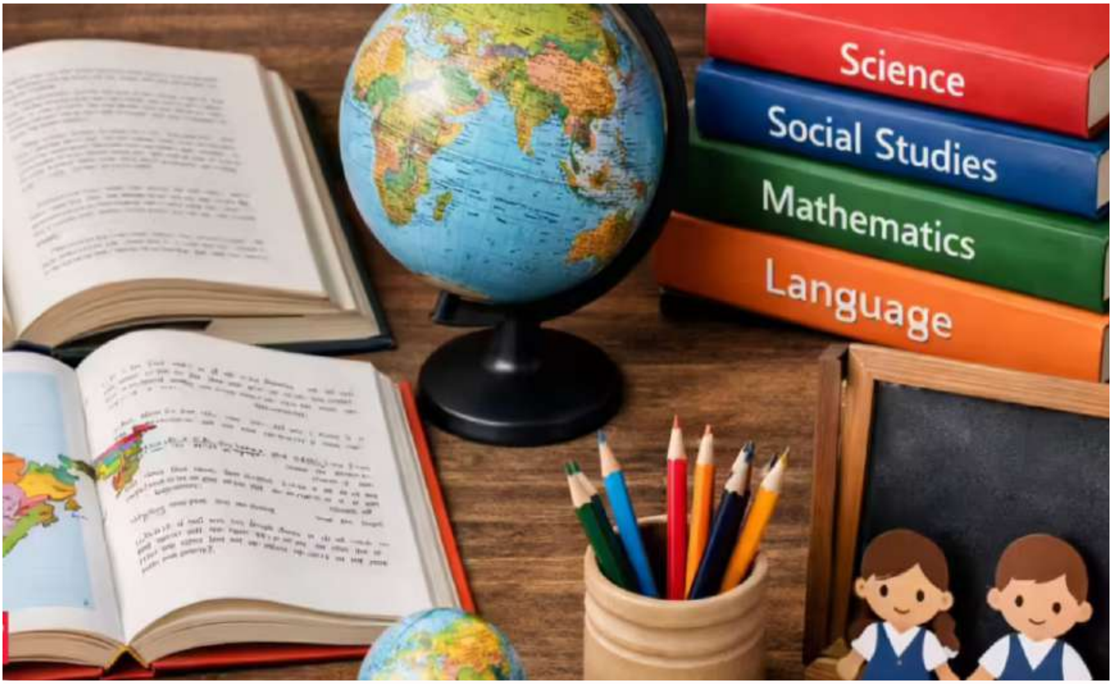

متعدد ریاستی تعلیمی بورڈ بھی سی بی ایس ای کے اقدامات اور اصلاحات پر گہری نظر رکھتے ہیں اور بعض اوقات ان سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ جب سی بی ایس ای کسی نئی تعلیمی پالیسی یا نصابی تبدیلی کا اعلان کرتا ہے تو اس کے اثرات صرف اس کے اپنے اداروں تک محدود نہیں رہتے بلکہ پورے ملک کے تعلیمی منظرنامے پر مرتب ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب سی بی ایس ای نے سہ لسانی فارمولے (Three-Language Policy) کے نفاذ کا فیصلہ کیا تو یہ محض ایک انتظامی تبدیلی نہیں بلکہ ایک قومی سطح کا تعلیمی مشن بن گیا۔

اب اگر اس پالیسی کی تفصیلات پر نظر ڈالی جائے تو اس کے تحت طلبہ کو تین زبانیں پڑھنی ہوں گی، جنھیں R1، R2 اور R3 کے نام دیے گئے ہیں۔ اس نظام کی ایک بنیادی شرط یہ ہے کہ ان تین زبانوں میں سے کم از کم دو زبانیں ہندوستانی ہوں۔ یہ فریم ورک قومی تعلیمی پالیسی 2020 (NEP 2020) اور قومی نصابی فریم ورک برائے اسکولی تعلیم 2023 (NCFSE 2023) کے مطابق تیار کیا گیا ہے۔

اس منصوبے کے تحت یکم جولائی 2026 سے نویں جماعت کے طلبہ زبانوں کی تعلیم اسی ڈھانچے کے مطابق حاصل کرنا شروع کریں گے، جبکہ چھٹی جماعت میں اس عمل کا آغاز پہلے ہی ہو چکا ہے۔ R3 کے لیے 19 شیڈولڈ زبانوں میں نصابی کتابیں تیار کی جا رہی ہیں، جبکہ باقی ہندوستانی زبانوں کے لیے ریاستی نصابی اداروں (SCERT) کے تیار کردہ نصابی مواد کو استعمال کر سکتے ہیں۔ مزید یہ کہ عبوری مرحلے کے دوران دسویں جماعت کے بورڈ امتحان میں R3 کے لیے کوئی علیحدہ امتحان منعقد نہیں ہوگا، بلکہ اس کی جانچ اور تشخیص اسکول کی سطح پر داخلی طور پر کی جائے

گی۔ اس لیے یہ تاثر کہ تیسری زبان طلبہ پر غیر معمولی امتحانی بوجھ ڈال دے گی یا ان کے نتائج کو متاثر کرے گی، حقائق سے مطابقت نہیں رکھتا۔

میری رائے میں یہ فیصلہ ہندوستانی اسکولی تعلیم کی تاریخ میں ایک اہم اور یادگار سنگِ میل ثابت ہو سکتا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ نہیں کہ طلبہ اب دو کے بجائے تین زبانیں سیکھیں گے، بلکہ اصل اہمیت اس بات کی ہے کہ اس منصوبے کو نافذ کرنے والا ادارہ سی بی ایس ای ہے، جس کے پاس تجربہ کار اساتذہ، مضبوط انتظامی ڈھانچہ، ضروری وسائل اور مرحلہ وار منصوبہ بندی کی صلاحیت موجود ہے۔ بورڈ نے اس پالیسی کو تدریجی انداز میں نافذ کرنے کا فیصلہ کیا ہے تاکہ کسی بھی سطح پر افراتفری یا غیر ضروری دباؤ پیدا نہ ہو۔ چھوٹے اسکولوں کو سہولتیں فراہم کی جا رہی ہیں، مختلف اسکولوں کے درمیان تعاون کے لیے سہودیہ (Sahodaya) کلسٹرز کی مدد لی جا رہی ہے اور ضرورت پڑنے پر ریٹائرڈ اساتذہ کی خدمات بھی حاصل کی جا سکتی ہیں۔

اب آتے ہیں اس اعتراض کی طرف جسے بعض حلقے 'ہندی کے نفاذ' یا 'ہندی مسلط کیے جانے' کے نام سے پیش کر رہے ہیں۔ میری نظر میں یہ اعتراض زیادہ تر فرضی، بے بنیاد اور سیاسی محرکات پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص واقعی پالیسی کی دستاویزات کا مطالعہ کرے، سی بی ایس ای کے مزاج اور اس کے لسانی تنوع کو سمجھے اور یہ دیکھے کہ بورڈ پہلے ہی 45 مختلف زبانوں کو اپنے نصاب میں جگہ دے چکا ہے، تو اسے واضح طور پر اندازہ ہو جائے گا کہ یہاں کسی ایک زبان کو دوسروں پر فوقیت دینے کی کوئی کوشش نہیں کی جا رہی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ پالیسی طلبہ کو مختلف زبانوں میں انتخاب کی آزادی دیتی ہے۔ طلبہ اپنی پسند کی زبانوں کا انتخاب کر سکتے ہیں اور کہیں بھی یہ نہیں کہا گیا کہ R1، R2 یا R3 کے لیے کسی مخصوص زبان کا انتخاب لازمی ہوگا۔ نہ ہندی کو لازمی قرار دیا گیا ہے اور نہ ہی کسی دوسری زبان کو۔ لہٰذا ہندی کے نفاذ کا الزام دراصل ایک غلط فہمی یا دانستہ طور پر پھیلایا گیا تاثر معلوم ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں تمل ناڈو کی مثال اکثر دی جاتی ہے، جہاں کئی دہائیوں سے ذولسانی پالیسی نافذ ہے۔ یہ یقیناً ایک سیاسی اور انتظامی فیصلہ تھا، لیکن اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ ایک بچے کے اندر متعدد زبانیں سیکھنے کی فطری صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ جو لوگ دو یا تین زبانیں بولنے والے گھروں میں بچوں کی پرورش کو قریب سے دیکھتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ بچے بیک وقت کئی زبانیں سیکھنے اور سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ مختلف مطالعات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ متعدد زبانوں کا علم نہ صرف ذہنی استعداد کو بہتر بناتا ہے بلکہ انسان کے فکری افق کو وسیع کرتا ہے، مختلف ثقافتوں کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے اور زندگی کو زیادہ متنوع انداز میں دیکھنے کا شعور عطا کرتا ہے۔

ایسے میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایک بچہ تین یا اس سے زیادہ زبانیں سیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے تو اسے صرف دو زبانوں تک کیوں محدود رکھا جائے؟ میری نظر میں بچوں کو اضافی لسانی مواقع سے محروم رکھنا ان کے مستقبل کے امکانات کو محدود کرنے کے مترادف ہے۔

ذولسانی نظام کے حامی ایک اور اہم پہلو کو عموماً نظر

انداز کر دیتے ہیں۔ جب ایک طالب علم صرف دو زبانیں پڑھتا ہے اور وہ بھی عموماً انگریزی اور ریاستی زبان ہوتی ہیں، تو اکثر اس کی مادری زبان پس منظر میں چلی جاتی ہے یا رفتہ رفتہ اس سے اس کا تعلق کمزور پڑنے لگتا ہے۔ سہ لسانی فارمولا اس کمی کو دور کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ بن سکتا ہے، کیونکہ اس کے ذریعے طلبہ کو اپنی مادری زبان کو دوبارہ تعلیمی دھارے میں شامل کرنے کا موقع ملتا ہے۔

اس نظام کے تحت ایک طالب علم اپنی مادری زبان، اپنی ریاست کی زبان اور اپنی پسند کی ایک تیسری زبان کا انتخاب کر سکتا ہے۔ اسی طرح وہ دو ہندوستانی زبانوں کے ساتھ ایک اور زبان بھی اختیار کر سکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ پالیسی کسی زبان کو مسلط نہیں کرتی بلکہ انتخاب کے دائرے کو وسیع کرتی ہے۔ یہی اس کی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔

میرے علم کے مطابق دنیا کا شاید ہی کوئی دوسرا تعلیمی بورڈ ہو جو اتنے وسیع پیمانے پر لسانی انتخاب فراہم کرتا ہو اور ایک ہی وقت میں ملک کے مختلف لسانی خطوں کے طلبہ کو مساوی مواقع دینے کی کوشش کرتا ہو۔ ہندوستان جیسے کثیر ثقافتی اور کثیر لسانی ملک میں اس نوعیت کا نظام نہ صرف قابلِ فہم ہے بلکہ وقت کی ایک اہم ضرورت بھی ہے۔

طلبہ کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو یہ پالیسی انھیں زیادہ باصلاحیت، مستقبل کے تقاضوں سے ہم آہنگ اور ملک گیر سطح پر مواقع حاصل کرنے کے لیے بہتر طور پر تیار کر سکتی ہے۔ آج ہندوستان کے بڑے شہروں کا منظرنامہ تیزی سے تبدیل ہو رہا ہے۔ بنگلورو، پونے، حیدرآباد، گروگرام حتیٰ کے ٹائر 2 اور ٹائر 3 شہر بھی زبانوں کے حوالے سے کافی متنوع ہو چکے ہیں۔ تعلیم، روزگار اور کاروبار کے مواقع لوگوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے پر مجبور کر رہے ہیں۔

ایسے ماحول میں ایک ایسا نوجوان جو مختلف زبانوں سے واقف ہو، دوسروں کو بہتر انداز میں سمجھ سکتا ہے، مختلف ثقافتوں سے آسانی کے ساتھ رابطہ قائم کر سکتا ہے اور پیشہ ورانہ زندگی میں زیادہ کامیاب ثابت ہو سکتا ہے۔ اگر چنئی کا کوئی طالب علم ہندی، اردو یا بنگالی سیکھتا ہے، یا لکھنؤ کا کوئی طالب علم تمل، کنڑ یا گجراتی زبان سے واقفیت حاصل کرتا ہے، تو وہ نہ صرف اپنے ہم جماعتوں بلکہ مستقبل کے ساتھیوں اور ہم وطنوں کو بھی بہتر انداز میں سمجھ سکے گا۔

زبان صرف اظہار کا ذریعہ نہیں ہوتی بلکہ علم، تہذیب، تاریخ اور تجربات کی حامل بھی ہوتی ہے۔ ہر زبان اپنے اندر ایک الگ دنیا سموئے ہوتی ہے۔ اگر ایک زبان ایک دروازے کی مانند ہے تو تین زبانیں تین مختلف دروازے کھول دیتی ہیں۔ جب ایک دروازہ کھلتا ہے تو علم اور فہم کا ایک راستہ سامنے آتا ہے، لیکن جب تین دروازے کھلتے ہیں تو سیکھنے، سمجھنے اور دنیا کو مختلف زاویوں سے دیکھنے کے امکانات کئی گنا بڑھ جاتے ہیں۔

اسی لیے میں موجودہ شکل میں نافذ کیے جانے والے سہ لسانی فارمولے کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ میرے نزدیک یہ محض ایک تعلیمی پالیسی نہیں بلکہ ہندوستان کی لسانی وراثت، ثقافتی تنوع اور قومی یکجہتی کو مضبوط بنانے کی جانب ایک اہم قدم ہے۔

(**بشکریہ**: روزنامہ دی نیو انڈین ایکسپریس، 23 مئی 2026)

زکی انور انصاری

سوشل میڈیا اور بدلتا ہوا معاشرہ

انسانی زندگی ہمیشہ تبدیلی کے سفر سے گزرتی رہی ہے، کبھی پیغام پہنچانے کے لیے دھاوتو کبھی کبوتر استعمال ہوتے تھے، پھر خطوط نے جگہ لی، اس کے بعد ٹیلی فون آیا اور اب ایک ایسا دور آچکا ہے جہاں پوری دنیا انسان کی ہتھیلی میں سمٹ آئی ہے۔سوشل میڈیا نے انسانی معاشرے کواس قدر بدل دیا ہے کہ آج کی دنیا چند برس پہلے کی دنیا سے بالکل مختلف دکھائی دیتی ہے۔فیس بک، واٹس ایپ، انسٹا گرام، ایکس اور یوٹیوب جیسے پلیٹ فارمز نے نہ صرف رابطوں کے انداز بدلے ہیں بلکہ سوچنے، محسوس کرنے اور تعلقات نبھانے کے طریقے بھی بدل دیے ہیں۔آج انسان حقیقت سے زیادہ اسکرین کے اندر زندہ نظر آتا ہے۔

پہلے لوگ شام ڈھلے اپنے گھروں کے صحن میں بیٹھتے تھے۔ بزرگ قصے سناتے تھے، بچے کھیلتے تھے اور خاندان کے افراد ایک دوسرے کے چہروں میں خوشی تلاش کرتے تھے۔ اب وہی شام موبائل فون کی روشنی میں گم ہو چکی ہے۔ ایک ہی گھر میں رہنے والے لوگ ایک دوسرے سے دور ہوتے جارہے ہیں۔ ہر شخص اپنے موبائل کی دنیا میں قید ہے۔ ماں بیٹے ایک ساتھ بیٹھے ہیں، دونوں الگ الگ اسکرینوں میں مصروف ہیں۔ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سوشل میڈیا نے انسانوں کوقریب لا کر بھی دور کردیا ہے۔

سوشل میڈیا نے جہاں فاصلے کم کیے وہیں دلوں کے درمیان انجانی دوریاں بھی پیدا کر دی ہیں۔ پہلے دوستوں کی ملاقاتوں میں خلوص ہوتا تھا، اب صرف دکھاوا ہے۔موجودہ وقت میں ہر شخص اپنی خوشیوں کی نمائش کر رہا ہے مگر اپنے غم چھپا رہا ہے۔نتیجہ یہ نکلا کہ معاشرے میں احساس کمتری بڑھنے لگی ایک عام انسان جب دوسروں کی مصنوعی خوشیوں کو دیکھتا ہے تو اپنی سادہ زندگی اسے ادھوری محسوس ہونے لگتی ہے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سوشل میڈیا

نے علم کے دروازے وسیع کر دیے ہیں۔ آج ایک طالب علم گھر بیٹھے دنیا کی بڑی یونیورسٹیوں کے لیکچرسن سکتا ہے، ایک غریب نو جوان اپنی صلاحیت کو پوری دنیا تک پہنچا سکتا ہے، اب چھوٹے شہروں کے لوگ بھی عالمی خبروں سے باخبر رہنے لگے ہیں، سوشل میڈیا نے اظہار رائے کی آزادی کو نئی طاقت دی ہے۔ یہ سوشل میڈیا ہی ہے جس نے بہت سے خاموش لوگوں کو بولنا سکھایا، لیکن ہر روشنی کے ساتھ اس کا سایہ بھی موجود ہوتا ہے سوشل میڈیا نے جہاں شعور پیدا کیا وہیں نفرت، جھوٹ اور انتشار کو بھی فروغ دیا ہے۔ جھوٹی خبریں چندلمحوں میں ہزاروں لوگوں تک پہنچ جاتی ہیں۔ لوگ تحقیق کیے بغیر ہر بات پر یقین کر لیتے ہیں۔ بعض اوقات ایک جھوٹی خبر (پوسٹ) معاشرے میں خوف اور بدگمانی پیدا کر دیتی ہے۔ اس سے اخلاقیات کا معیار بھی متاثر ہوتا ہے۔ لوگ دوسروں کی عزت اچھالنے میں دیر نہیں کرتے آج لفظوں کی حرمت کم اور زبانیں تلخ ہوتی جارہی ہیں۔

سوشل میڈیا نے نوجوان نسل کو سب سے زیادہ متاثر کیا ہے، آج کا نوجوان اپنی پہچان حقیقی زندگی سے زیادہ ورچوئل دنیا میں تلاش کرتا ہے، وہ اپنی خوشی لائکس اور کمنٹس میں میں ڈھونڈنے لگا ہے، اگر کسی کی تصویر کو کم لوگوں نے لائک کیا تو وہ اداس ہو جاتا ہے اگر کوئی تعریف کر دے تو وہ خوشی سے بھر جاتا ہے گویا انسان کی خود اعتمادی اب دوسروں کے ہاتھ میں چلی گئی ہے یہ ایک خطرناک تبدیلی ہے کیونکہ انسان اپنی اصل شخصیت سے دور ہوتا جارہا ہے۔

اب رشتوں کی دنیا بھی بدل چکی ہے پہلے محبت خطوں میں سانس لیتی تھی، انتظار میں خوبصورتی تھی۔ اب چندلمحوں میں رشتے بنتے ہیں اور چندلمحوں میں ٹوٹ بھی جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج انسان کے پاس سیکڑوں آن لائن دوست ہیں۔ مگر دل کی بات سننے والا کوئی نہیں۔

سوشل میڈیا نے انسان کے وقت کو بھی بری طرح متاثر کیا ہے، لوگ گھنٹوں اسکرین پر گزار دیتے ہیں اور انھیں احساس بھی نہیں ہوتا کہ زندگی کے قیمتی لمحے ان کے ہاتھوں سے نکل رہے ہیں۔ دھیرے دھیرے بچے کھیل کے میدانوں سے بھی دور ہوتے جارہے ہیں، کتابوں کی خوشبو کم ہوتی جارہی مند ہے، گفتگو کا حسن ماند پڑ گیا ہے، اب انسان سوچنے سے زیادہ اسکرول کرنے میں مصروف ہے یہی مصروفیت آہستہ آہستہ ذہنی تھکن، بے چینی اور

تنہائی کوجنم دے رہی ہے۔

معاشرے میں دکھاوے کی بیماری بھی بڑھتی جارہی ہے، لوگ اپنی اصل زندگی سے زیادہ مصنوعی (بناوٹی) زندگی دکھانے لگے ہیں۔کوئی مہنگے کھانے کی تصویر لگا رہا ہے، کوئی سفر کی نمائش کر رہا ہے اور کوئی اپنی خوشیوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کر رہا ہے۔اس نمائش نے معاشرے میں مقابلے کی ایسی فضا پیدا کردی ہے جہاں انسان سکون سے زیادہ دوسروں کو متاثر کرنے کی فکر میں مبتلا ہو گیا ہے۔ سادگی اب کمزوری سمجھی جانے لگی ہے۔اس کے باوجود سوشل میڈیا کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔قدرتی آفات، بیماریوں اور مشکل حالات میں یہی سوشل میڈیا لوگوں کے لیے مددگار ثابت ہوا ہے، لوگوں نے ایک دوسرے کے لیے چندے جمع کیے۔ بیماریوں کے لیے خون کا انتظام کیا اور ضرورت مندوں تک آواز پہنچائی گئی، خاندان برسوں بعد ایک دوسرے سے مل سکے، بہت سے ہنرمند افراد کو روزگار ملا، یہ پہلو سوشل میڈیا کے روشن چہرے کو ظاہر کرتے ہیں۔

اصل مسئلہ سوشل میڈیا نہیں بلکہ اس کا غلط استعمال ہے۔اگر انسان سوشل میڈیا کو صرف علم حقیقت رابطے اور اچھے مقصد کے لیے استعمال کرے تو یہ ایک نعمت بن سکتا ہے، مگر یہی ذریعہ نفرت، وقت کے ضیاع اور اخلاقی گراوٹ کے لیے استعمال ہو تو یہ زحمت بن جاتا ہے، ہرنئی ایجاد کی طرح سوشل میڈیا بھی انسان کے ہاتھ میں ایک طاقت ہے اب یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ اس طاقت کو روشنی بناتا ہے یا اندھیرا۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان حقیقی زندگی کی اہمیت کو دوبارہ سمجھے، گھر کے رشتوں کو وقت دے، دوستوں سے سے حقیقی ملاقات کرے، کتابوں سے تعلق جوڑے اور فطرت کے قریب آئے۔موبائل کی اسکرین کبھی ماں کی شفقت اور خاندان کی محبت کا بدل نہیں بن سکتی۔انسان کو یہ سمجھنا ہوگا کہ زندگی صرف آن لائن دنیا کا نام نہیں ہے بلکہ یہ حقیقی احساسات کا سفر بھی ہے۔

آج کا معاشرہ ایک عجیب موڑ پر کھڑا ہے، ایک طرف ترقی، معلومات اور سہولتوں کا سیلاب ہے تو دوسری طرف تنہائی۔ انسان جتنا ڈیجیٹل دنیا کے قریب ہو رہا ہے اتنا ہی اپنے اندر سے دور ہوتا جا رہا ہے۔یہی اس دور کا سب سے بڑا المیہ ہے۔

اگر ہم چاہتے ہیں کہ آنے والی نسلیں صرف مشینیں نہ بن جائیں بلکہ احساس رکھنے والے انسان بھی رہیں تو ہمیں سوشل میڈیا کے استعمال میں توازن پیدا کرنا ہوگا، بچوں کو اخلاقیات اور وقت کی قدر سکھانا ہوگا، ورنہ وہ دن دور نہیں جب انسان کے پاس ہزاروں فالوورز ہوں گے مگر اس کے دل میں محبت، سکون اور خلوص باقی نہیں رہے گا۔

آخر میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ سوشل میڈیا نے معاشرے کو مکمل طور پر بدل دیا ہے۔اب فیصلہ انسان کے ہاتھ میں ہے کہ وہ اس بدلتے ہوئے معاشرے میں اپنی انسانیت، اپنی محبت اور اپنے خلوص کو کس حد تک محفوظ رکھ پاتا ہے۔

■

Prof. Zaki Anwar Ansari
Shahi Qila Road
Burhanpur-450331 (MP)
zakianwar11@gmail.com

پروانہ برہانپوری

ہندوستانی ریلوے: کل، آج اور کل

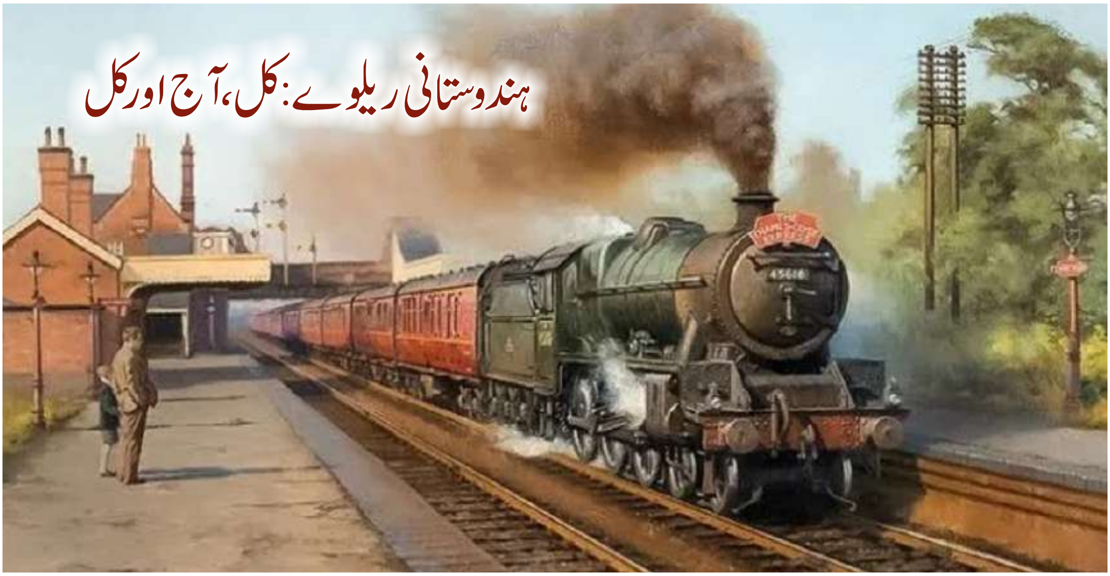

بچو! آج ہم جس آرام دہ کوچ میں بیٹھ کر سفر کرتے ہیں، اس کے پیچھے تقریباً ڈیڑھ سو سال سے زیادہ کی محنت اور عزم کی داستان چھپی ہے۔ یہ لوہے کی پٹریاں صرف دو شہروں کو نہیں ملاتیں بلکہ یہ ہمارے ملک کے دلوں کو آپس میں جوڑتی ہیں۔

ہمارے ملک میں ریل کی کہانی اس وقت شروع ہوئی جب سڑکیں کچی تھیں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے میں ہفتوں لگ جاتے تھے۔ اس دور میں بھاپ کے انجن کا تصور کسی جادو سے کم نہیں تھا۔ 16 اپریل 1853 کا وہ دن ہندوستان کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا جب ممبئی کے بوری بندر اسٹیشن سے تھانے تک پہلی بار ایک ٹرین روانہ ہوئی۔ اس ٹرین میں 14 بوگیاں تھیں اور اسے تین طاقتور بھاپ کے انجن کھینچ رہے تھے۔ اس دن 400 خوش نصیب مسافروں نے زندگی کا وہ پہلا یادگار سفر طے کیا جس نے آنے والے وقت میں پورے ہندوستان کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔

ابتدا میں ریل بنانے کا مقصد صرف تجارت اور سامان کی نقل و حمل تھا، لیکن بہت جلد یہ عام لوگوں کی ضرورت بن گئی۔ شروع شروع میں ریل کے ڈبے لکڑی کے بنے ہوتے تھے اور ان میں آج جیسی سہولیات موجود نہیں تھیں۔ یہاں تک کہ رات کے وقت روشنی کے لیے تیل کے چراغ جلائے جاتے تھے۔ گرمیوں میں سفر کرنا خاصا مشکل ہوتا تھا کیونکہ پنکھے نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔

انیسویں صدی کے آخر تک ریلوے کا نظام تیزی سے پھیلنے لگا۔ بڑے بڑے پل بنائے گئے جو دریاؤں کے سینے پر تنے ہوئے تھے اور پہاڑوں کو کاٹ کر سرنگیں بنائی گئیں تاکہ ریل اپنا راستہ بنا سکے۔ یہ انجینئرنگ کے وہ کمالات تھے جنھیں آج بھی دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ کالکا شملہ ریلوے یا دارجلنگ ہمالین ریلوے کی ’ٹائے ٹرینیں‘ اس دور کی یادگار ہیں جو آج بھی اپنی خوبصورتی کی وجہ سے دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ ان چھوٹی ٹرینوں نے پہاڑوں کے مشکل راستوں کو اتنا آسان بنا

دیا کہ لوگ قدرت کے نظاروں کا لطف اٹھاتے ہوئے بلند چوٹیوں تک پہنچنے لگے۔

آزادی کے بعد ہندوستانی ریلوے نے ایک نئی سمت اختیار کی۔حکومت نے ریلوے کو جدید بنانے پر توجہ دی تا کہ عام آدمی کا سفر آرام دہ ہو سکے۔ بوگیوں کے ڈیزائن بدلے گئے،ان میں آرام دہ نشستیں لگائی گئیں اور بیت الخلا کی سہولت کو بہتر بنایا گیا۔ایک بہت بڑی تبدیلی 'بجلی سے چلنے والی ٹرینوں' کا آغاز تھا۔بجلی کے انجن نہ صرف ماحول دوست تھے بلکہ وہ ڈیزل کے مقابلے میں کہیں زیادہ تیز رفتار بھی تھے۔آج جب ہم الیکٹرک ٹرین میں بیٹھتے ہیں تو ہمیں اس شور اور دھوئیں کا سامنا نہیں کرنا پڑتا جو پرانے دور کی ریلوں کا خاصہ تھا۔

ہندوستانی ریلوے دنیا کے بڑے ریلوے نیٹ ورکس میں سے ایک ہے؟ یہاں روزانہ اتنے مسافر سفر کرتے ہیں جتنی کئی چھوٹے ملکوں کی کل آبادی ہوتی ہے۔ریلوے کی اپنی ایک الگ دنیا ہے،جس میں لاکھوں ملازمین دن رات کام کرتے ہیں تا کہ ہم اور آپ بحفاظت اپنی منزل تک پہنچ سکیں۔ریلوے نے نہ صرف لوگوں کو جوڑا بلکہ زراعت اور صنعت کو بھی نئی زندگی دی۔کسانوں کی فصلیں منڈیوں تک پہنچنے لگیں اور کارخانوں کا خام مال ایک جگہ سے دوسری جگہ آسانی سے منتقل ہونے لگا۔

اکیسویں صدی میں ریلوے نے ڈیجیٹل دنیا میں قدم رکھا۔اب ہم گھر بیٹھے موبائل کی ایک کلک سے اپنی نشست بک کر سکتے ہیں۔انٹرنیٹ نے ریلوے کے پورے نظام کو شفاف اور آسان بنا دیا ہے۔اب ہم ٹرین کی لائیو لوکیشن دیکھ سکتے ہیں کہ ہماری ریل اس وقت کہاں ہے اور کتنی دیر میں پہنچے گی۔ یہ سب اس سائنس اور ٹیکنالوجی کا کرشمہ ہے جو مسلسل ترقی کر رہی ہے۔

موجودہ دور میں ہم 'وندے بھارت' جیسی جدید ترین ٹرینوں کا دور دیکھ رہے ہیں۔ یہ ٹرینیں اپنی رفتار، خوبصورتی اور سہولیات کے لحاظ سے کسی بھی عالمی معیار کی ٹرین کا مقابلہ کر سکتی ہیں۔ان کے اندر کا ماحول کسی ہوائی جہاز سے کم نہیں ہوتا۔خودکار دروازے، جی پی ایس سسٹم اور بہترین کھانا اس بات کی علامت ہے کہ ہمارا ریلوے سسٹم اب بدل رہا ہے۔حکومت اب چھوٹے اسٹیشنوں کو بھی 'امرت بھارت' اسکیم کے تحت جدید بنا رہی ہے تا کہ ہر شہری کو عالمی معیار کی سہولیات میسر آسکیں۔

ہندوستانی ریلوے کا مستقبل اس سے بھی زیادہ روشن اور حیران کن ہے۔ یہاں 'ہائپر لوپ' جیسے تصورات پر بھی کام ہو رہا ہے جو شاید سفر کے معنی ہی بدل کر رکھ دیں۔ مستقبل کی ریلیں زیادہ محفوظ، تیز اور ماحول دوست ہوں گی۔ شمسی توانائی (سولر انرجی) کا استعمال بڑھ رہا ہے تا کہ ٹرینیں سورج کی روشنی سے چل سکیں اور ہم اپنی زمین کو آلودگی سے بچا سکیں۔

ہندوستانی ریلوے کی عظمت کی کہانی صرف پٹریوں اور انجنوں تک محدود نہیں ہے، بلکہ یہ انسانی عزم اور انجینئرنگ کے ان حیرت انگیز کارناموں کی بھی داستان ہے جنھوں نے ناممکن کو ممکن کر دکھایا۔تمل ناڈو میں واقع 'پمبن پل' اس کی ایک بہترین مثال ہے، جو سمندر کے عین وسط میں بنا ہوا ہے اور جب وہاں سے ٹرین گزرتی ہے تو ایسا لگتا ہے جیسے ریل پانی پر تیر رہی ہو۔اسی طرح حال ہی میں جموں و کشمیر میں دریائے چناب پر دنیا کا

سب سے اونچا ریلوے پل تعمیر کیا گیا ہے، جس کی اونچائی پیرس کے ایفل ٹاور سے بھی زیادہ ہے۔ یہ پل اس بات کا ثبوت ہیں کہ ہمارے ملک کے انجینئرز دنیا میں کسی سے کم نہیں ہیں۔

'نیشنل ٹرین انکوائری سسٹم' اور مختلف ایپس کے ذریعے ہم ایک منٹ میں یہ جان لیتے ہیں کہ ہماری ٹرین کہاں ہے، اس کی رفتار کیا ہے اور وہ اگلے اسٹیشن پر کب پہنچے گی۔ اسٹیشنوں پر اب ہائی اسپیڈ وائی فائی کی سہولت موجود ہے، جس کی مدد سے مسافر انتظار کے دوران دنیا بھر سے جڑے رہ سکتے ہیں۔ ٹکٹ لینے کا نظام اتنا آسان ہو گیا ہے کہ اب لائن میں لگنے کی ضرورت نہیں رہی، بلکہ 'کیو آر کوڈ' اسکین کر کے فوری طور پر پلیٹ فارم ٹکٹ بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ یہ تبدیلیاں بظاہر چھوٹی لگتی ہیں لیکن انھوں نے کروڑوں مسافروں کی زندگی آسان بنا دی ہے۔

جدید ٹیکنالوجی کے اس سفر میں 'وندے بھارت ایکسپریس' کا تذکرہ بہت ضروری ہے۔ یہ ٹرین ہندوستان کی اپنی محنت اور ٹیکنالوجی کا شاہکار ہے۔ اسے 'ٹرین 18' بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں انجن الگ سے نہیں ہوتا بلکہ بوگیوں کے اندر ہی طاقتور موٹریں نصب ہوتی ہیں، بالکل میٹرو ٹرین کی طرح۔ اس کی خاصیت اس کی تیز رفتاری اور عالمی معیار کی سہولیات ہیں۔ اس کے اندر کی نشستیں 180 ڈگری تک گھوم سکتی ہیں، دروازے خودکار ہیں اور مسافروں کی حفاظت کے لیے 'کَوَچ' (Kavach) نامی حفاظتی نظام لگایا گیا ہے۔ کوچ ایک ایسا جادوئی نظام ہے جو اگر دو ٹرینیں غلطی سے ایک ہی پٹری پر آ جائیں، تو انھیں آپس میں ٹکرانے سے پہلے ہی خود بخود روک دیتا ہے۔ یہ ٹیکنالوجی ہندوستانی ریلوے کو دنیا کے محفوظ ترین نظاموں میں شامل کر رہی ہے۔

آپ نے جاپان اور چین کی ان ٹرینوں کے بارے میں سنا ہوگا جو ہوا سے باتیں کرتی ہیں، جنھیں 'بلٹ ٹرین' کہا جاتا ہے۔ بہت جلد ہندوستان میں بھی ایسی ہی ایک ٹرین ممبئی اور احمد آباد کے درمیان دوڑتی نظر آئے گی۔ یہ ٹرین 320 کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے چلے گی، یعنی جس سفر میں ابھی کئی گھنٹے لگتے ہیں، وہ صرف دو ڈھائی گھنٹوں میں مکمل ہو جائے گا۔ یہ صرف ایک تیز رفتار ٹرین نہیں ہوگی، بلکہ اس کے ذریعے ایک نئے عہد کا آغاز ہوگا جہاں وقت کی بچت ہوگی اور تجارت کو فروغ ملے گا۔ اس کے لیے خصوصی طور پر اونچے ٹریک بنائے جا رہے ہیں تاکہ زمین پر ٹریفک متاثر نہ ہو اور ٹرین بغیر کسی رکاوٹ کے دوڑ سکے۔

مستقبل کی ریل صرف تیز رفتار نہیں ہوگی بلکہ وہ 'سبز ریل' (Green Railway) بھی ہوگی۔ پوری دنیا میں بڑھتی ہوئی آلودگی ایک بڑا مسئلہ ہے اور ہندوستانی ریلوے نے اس کا حل نکال لیا ہے۔ ہمارا ہدف ہے کہ 2030 تک ریلوے 'نیٹ زیرو کاربن ایمیٹر' بن جائے، یعنی ریل چلانے سے ماحول کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ اس کے لیے ریلوے اسٹیشنوں کی چھتوں پر سولر پینل لگائے جا رہے ہیں تاکہ بجلی سورج سے حاصل کی جا سکے۔ بہت جلد ہم ایسی ٹرینیں بھی دیکھیں گے جو ہائیڈروجن ایندھن سے چلیں گی، جن سے دھوئیں کی جگہ صرف پانی کے بخارات نکلیں گے۔ یہ ایک ایسی دنیا ہوگی جہاں ترقی اور فطرت کا ساتھ ساتھ سفر ہوگا۔

ہندوستانی ریلوے کا مستقبل 'ہائپر لوپ' (Hyperloop) جیسے تصورات سے بھی جڑا ہوا ہے۔ یہ ایک ایسی ٹیکنالوجی ہے جس میں ایک بڑی سی ٹیوب کے اندر ٹرین کو مقناطیسی قوت کے ذریعے ویکیوم میں چلایا جائے گا، جہاں ہوا کی رکاوٹ نہ ہونے کی وجہ سے اس کی رفتار ایک ہزار کلومیٹر فی گھنٹے سے بھی زیادہ ہوسکتی ہے۔ اگر یہ منصوبہ حقیقت بن گیا تو آپ ناشتہ دہلی میں کر کے دوپہر کا کھانا چنئی میں کھاسکیں گے۔ اگرچہ یہ ابھی ایک خواب لگتا ہے، لیکن یاد رکھیے، 1853 میں بھاپ کا انجن بھی ایک خواب ہی تھا۔

ہندوستانی ریلوے کی یہ داستان ہمیں یہ پیغام دیتی ہے کہ تبدیلی ہی زندگی کا حسن ہے۔ ماضی میں ہم نے پگڈنڈیوں سے پٹریوں تک کا سفر کیا، حال میں ہم جدید ترین ٹرینوں کا لطف اٹھا رہے ہیں اور مستقبل میں ہم ستاروں کی چال چلنے والی مشینوں کی تیاری کر رہے ہیں۔ یہ ریل گاڑیاں صرف مسافروں کو نہیں ڈھوتی ہیں، یہ قوم کی امیدوں، سپنوں اور ترقی کے سفر کی علامت ہیں۔ جب آپ بڑے ہوکر ڈاکٹر، انجینئر یا سائنس دان بنیں گے، تو شاید آپ ہی وہ لوگ ہوں گے جو ہندوستانی ریلوے کو مزید بلندیوں تک لے جائیں گے۔

'اسٹیشن ری ڈیولپمنٹ' پروگرام کے تحت ہندوستان کے سیکڑوں اسٹیشنوں کو ہوائی اڈوں کی طرز پر جدید بنایا جارہا ہے۔ وہاں آپ کو صاف ستھرا ماحول، برقی سیڑھیاں (Escalators) اور بچوں کے کھیلنے کے لیے مخصوص گوشے بھی ملیں گے۔ یہ سب کچھ آپ کے سفر کو ایک خوشگوار تجربہ بنانے کے لیے کیا جارہا ہے۔

آخر میں، یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ ریلوے ہماری اپنی ملکیت ہے۔ اس کی حفاظت کرنا، اسے صاف ستھرا رکھنا اور قوانین پر عمل کرنا ہم سب کی ذمہ داری ہے۔ ریل کی یہ پٹریاں ہمارے ملک کے ہر کونے کو جوڑتی ہیں، چاہے وہ کشمیر کی برف پوش وادیاں ہوں یا کنیا کماری کے ساحل۔ یہ اتحاد، بھائی چارے اور مسلسل آگے بڑھنے کا نام ہے۔

■

Parwana Burhanpuri
Gazi Salaar Maidan
Mominpura
Burhanpur-450331 (Madhya Pradesh)
Mob.: 8871702698
navaidraza26@gmail.com

جگن ناتھ آزاد

کسانوں کا گیت

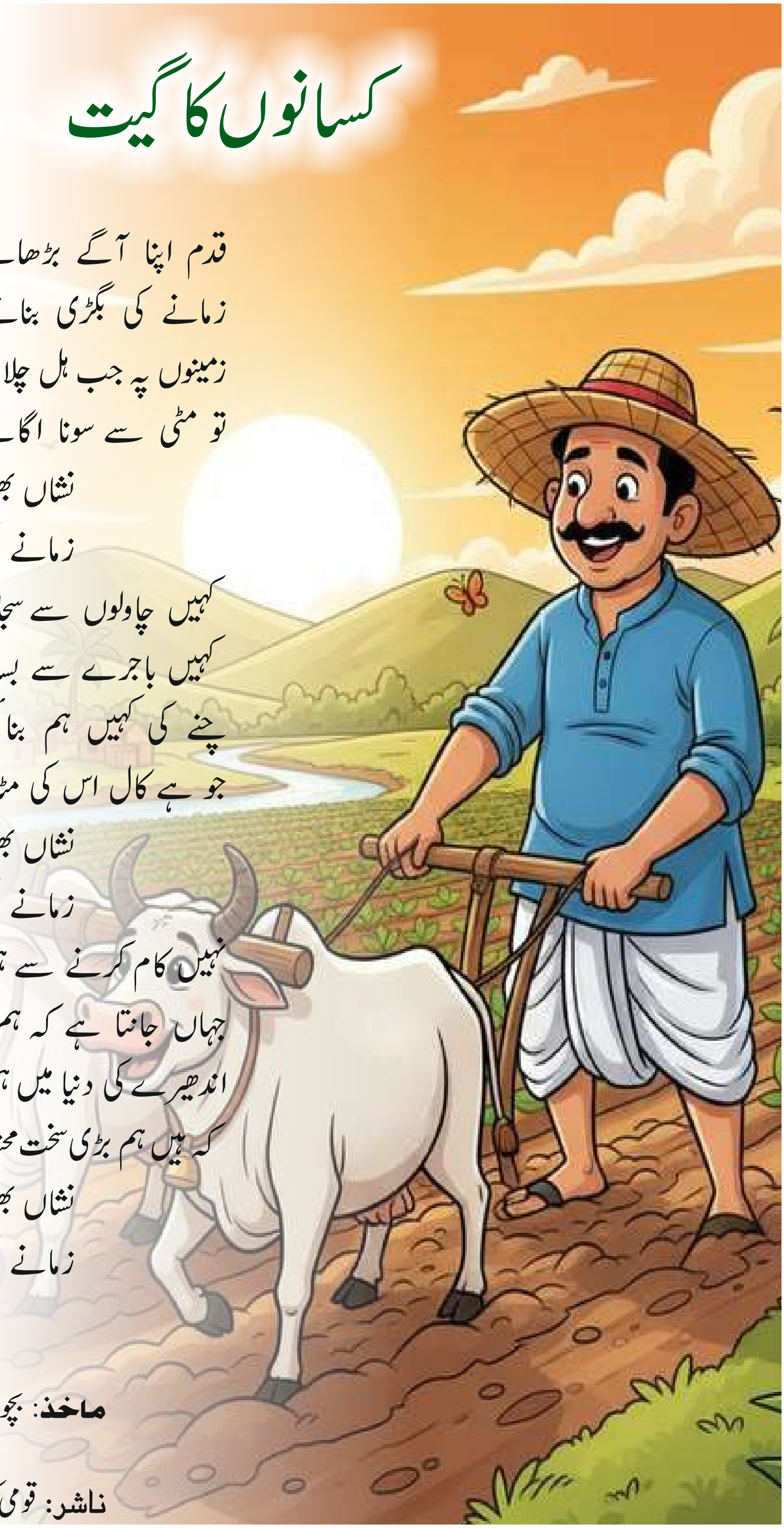

قدم اپنا آگے بڑھاتے چلیں گے
زمانے کی بگڑی بناتے چلیں گے
زمینوں پہ جب ہل چلاتے چلیں گے
تو مٹی سے سونا اگاتے چلیں گے
نشاں بھوک کا ہم مٹاتے چلیں گے
زمانے کی بگڑی بناتے چلیں گے

کہیں چاولوں سے سجائیں گے دنیا
کہیں باجرے سے بسائیں گے دنیا
چنے کی کہیں ہم بنائیں گے دنیا
جو ہے کال اس کی مٹائیں گے دنیا
نشاں بھوک کا ہم مٹاتے چلیں گے
زمانے کی بگڑی بناتے چلیں گے

نہیں کام کرنے سے ہم تھکنے والے
جہاں جانتا ہے کہ ہم ہیں جیالے
اندھیرے کی دنیا میں ہم ہیں اجالے
کہ ہیں ہم بڑی سخت محنت کے پالے
نشاں بھوک کا ہم مٹاتے چلیں گے
زمانے کی بگڑی بناتے چلیں گے

■

ماخذ: بچوں کی نظمیں، **شاعر:** جگن ناتھ آزاد
پانچویں طباعت: 2010
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

چھٹیاں کیسے گزاریں

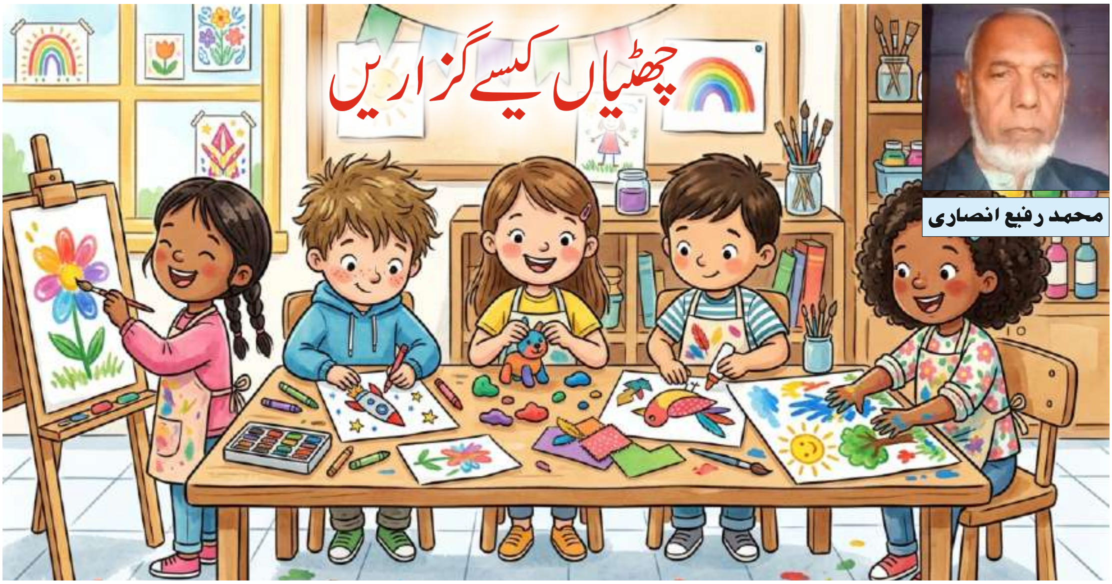

محمد رفیع انصاری

آؤ بچو! تم کو ہم کچھ راز کی باتیں بتائیں
آج کا عنواں ہے اپنی چھٹّیاں کیسے منائیں

وہ بڑے کرتے ہو تم جن کو بہت دل سے پسند
عادتوں کو اُن کی اپنا کر، کرو رُتبہ بلند

غور سے دیکھو جہاں کو اور جہاں کا انتظام
ان کے بارے میں کرو پھر شوق سے لکھنے کا کام

کیسا ہوتا ہے زمانے کا چلن دیکھو، سنو
گاہے گاہے مارکیٹ کی سیر بھی کرتے رہو

وہ ہنر جو کام کے ہیں ان پہ بھی رکھو نظر
تاکہ جب بھی وقت آئے کام آؤ پیشتر

یہ جو سوشل میڈیا ہے دور رہنا اس سے تُم
پیارو! اس کی وادیوں میں ورنہ ہو جاؤ گے گُم

اپنے موبائل سے گھنٹہ بھر اگر ہو جاؤ دور
فائدہ اس کا ملے گا دیکھنا تم کو ضرور

ہیں بچت کرنے کی عادت میں بہت سے فائدے
سیکھنے ہیں چھٹّیوں میں تم کو اس کے قاعدے

یہ فراغت دوستو، بالکل نہیں آرام کی
باندھ لو اس کو گرہ میں یہ ہیں باتیں کام کی

■

Mohd Rafi Ansari
Al-Madni, 734, Bhusar Mohalla,
Bhiwandi- 421302
Distt.: Thane (Maharashtra)
rafiansari1651@gmail.com

محمد وزیر عالم

تھک جاتا ہوں

پیدل اسکول میں جاتے ہوئے تھک جاتا ہوں
دھوپ میں لوٹ کے آتے ہوئے تھک جاتا ہوں

پیٹھ پہ لاد کے جاتا ہوں میں بھاری بستہ
بوجھ بستے کا اٹھاتے ہوئے تھک جاتا ہوں

کون کس روز پہننا ہے یونیفارم مجھے
ان کا میں جوڑا لگاتے ہوئے تھک جاتا ہوں

میرے درجے میں زیادہ ہیں کتابیں اتنی
ان کتابوں کو سجاتے ہوئے تھک جاتا ہوں

آٹھ دس کاپیاں ہر روز لکھنی پڑتی ہیں
ہوم ورک اپنا بناتے ہوئے تھک جاتا ہوں

کھیل سے ختم ہوجاتا ہے دماغی ٹینشن
جب کہ میں دوڑ لگاتے ہوئے تھک جاتا ہوں

■

Md. Wazeer Alam
Madrasa Rahmatul Uloom
Naukatola, Hardiya, Raxaul
East Champaran- 845305 (Bihar)
Mob.: 9534443838
mdwazeeralam95@gmail.com

کباڑی چاچا

فہیم احمد

گلی گلی آواز لگاتا
آیا آج کباڑی چاچا

ٹھیلا اس کا بڑا نرالا
جو کباڑ کا لگے سمندر
ٹوٹی کرسی، بند گھڑی ہے
چھوٹا ڈبہ، لنگڑا بندر

کبھی نہیں تم گن پاؤ گے
کتنا اس میں گڑبڑ جھالا
گلی گلی آواز لگاتا
آیا آج کباڑی چاچا

خالی بوتل، بند گھڑی ہے
ٹوٹا چھاتا، تالا چابی
ایک ریڈیو بڑا پرانا
ٹوٹی پھوٹی ایک رکابی

پھٹے پرانے کپڑے، چاقو
پھنسا ہوا لوٹے میں پیالہ
گلی گلی آواز لگاتا
آیا آج کباڑی چاچا

پھٹی پرانی کئی کتابیں
اور پرانے پیپر ردی
ٹھیلے پر ہیں جتنی چیزیں
ٹوٹی پھوٹی دکھتی بھدی

کہتا ہے، بیچو وہ سب کچھ
کام نہیں جو آنے والا
گلی گلی آواز لگاتا
آیا آج کباڑی چاچا

■

Dr. Faheem Ahmad
Asst Professor, Dept of Hindi
Mahatma Gandhi Memorial (P.G) College
Chaudhary Sarai,Near Police Chowki
Sambhal - 244302 (UP)
Mob.: 8896340824

بادل

نیل گگن پر چھائے بادل
کیا کیا روپ دکھائے بادل
داڑھی والا بکرا بن کر
مجھ کو خوب ہنسائے بادل
لاٹھا کنواں کا روپ یہ دھارے
میرے کھیت پٹائے بادل
گلی، ڈنڈا کھیلتے بچے
امبر پر درشائے بادل
مرلی والے کرشن کنہیا
رادھا بن بن جائے بادل
ملا، پنڈت ساتھ ہیں بیٹھے
ادبھت درش کرائے بادل
تیری اٹکھیلی سے منظر
سورج بھی شرمائے بادل

■

Waquie Manzer
Shah Jahan Manzil
156, NRR Road
Asansol-713302 (West Bengal)
waquiemanzer3@gmail.com

نعیم خان نعیم اکوٹوی

کتابیں دوست ہیں میری

کتابیں دوست ہیں اپنی ہمیں انساں بناتی ہیں
تعصب سے بچا کر پیار سے جیناسکھاتی ہیں

پریشانی میں جب بھی نظم اورغزلوں کو پڑھتا ہوں
تو مجھ کو زندگی کے سوز اور نغمے سناتی ہیں

ملاتی ہیں مِری محسن مجھے تاریخِ ماضی سے
حکومت کو مگر اِک عارضی نشّہ بتاتی ہیں

کبھی اکتاہٹوں میں جب کبھی پڑھتا ہوں افسانے
مجھے احساس کے پیکر ادیبوں سے ملاتی ہیں

ڈراموں کے حسیں کردار سے استاذ کی صورت
مرے کردار کو شفّاف آئینہ بناتی ہیں

زمیں رنگ ونسب اورمال پرگر ناز کرتا ہوں
تو پھر آیاتِ قرآنی مجھے ناداں بتاتی ہیں

■

Naeem Khan Naeem Akotvi
Naeem Arts and Xerox Center
Jama Masjid Chowk, Akot
Dist.: Akola- 444101 (Maharashtra)
Mob.: 9975011453
naimkhan145365@gmail.com

عقیل احمد ندوی سیفی

چھوئی موئی

چھوئی موئی ننھا سا پودا
ہرا بھرا اور پیارا سادہ
ہاتھ لگاؤ سمٹ سا جائے
جیسے ہم سے ڈر سا جائے
شرم و حیا ہے اس کی زینت
خدا کی ہے یہ پیاری نعمت
پتے اس کے چھوٹے چھوٹے
ہوا کے جھونکوں سے نہ ٹوٹے
دھوپ کھلے تو کھل اٹھتا ہے
چھاؤں ملے تو دم گھٹتا ہے
سردی میں کمھلا جاتا ہے
گرمی میں لہرا جاتا ہے
نرم نرم ہیں اس کی بیل
مسل دیے تو ہوجائے کھیل
لیکن دیتے ہیں پیغام
نرم رہو اور کرو سلام
اکڑ کے جینا کام برا
سیفی یہ انجام برا

■

Dr. Aqueel Ahmad Nadwi Saifi
Asst Professor (Guest Faculty)
Dept of Urdu, Uma Pandey College
Pusa, Samastipur- 848125 (Bihar)
Mob.: 9889897565

محمد قمر سلیم

رضوان کو اس کی بڑی بہن پیار سے 'پنّو' پکارتی تھیں۔ اب تو رضوان جگت پنو ہوگئے۔ حد تو یہ تھی کہ 'رضوان' پکارنے پر وہ اتنا متوجہ نہیں ہوتا تھا جتنا کہ پنو کہنے پر۔ وہ بہت ہی باتونی لڑکا تھا۔ بس ایک بار شروع ہوا تو رکنے کا نام ہی نہیں لیتا۔ وہ اتنی ٹرٹر کرتا تھا کہ سب نے اسے 'ٹرّو' بھی کہنا شروع کردیا۔

باتیں کرنے کے علاوہ اسے طرح طرح کی چیزیں اکٹھا کرنے کا بھی شوق تھا۔ جہاں کوئی چیز ملی اس کو اٹھا کر رکھ لیا۔ گھر میں اگر کوئی چیز نہیں ملتی تھی تو پنو سے پوچھا جاتا تھا یا وہ چیز ان کے سامان میں دیکھی جاتی تھی۔

چیزوں میں گھسنے اور ان کا پوسٹ مارٹم کرنے کی عادت بھی پنو میں تھی۔ اس وقت پنو کی عمر 4 سال ہوگی۔ ایک دن کی بات ہے پنو کے ایک بھائی بولے، 'ارے یہ ریڈیو نہیں چل رہا ہے۔' یہ سن کر پنو کے سب سے بڑے بھائی نے مذاق میں کہہ دیا، 'پہیے لگا لو۔' پنو یہ بات سن رہا تھا، بس پھر کیا تھا، وہ اپنا سارا ساز و سامان اٹھا کر لے آیا۔ اپنی ایک کار بھی لے کر آگیا اور ریڈیو کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ اس کی کچھ سمجھ میں تو آیا نہیں کہ پہیے کہاں لگیں گے۔ کبھی وہ ریڈیو کو کار کے اوپر رکھتا تو کبھی کار کو ریڈیو پر۔ پھر نہ جانے پنو کے دماغ میں کیا آیا کہ ریڈیو کے اوپر پیچ کش سے زور آزمائی شروع کردی۔ غنیمت یہ ہوئی کہ پنو کے بڑے بھائی آگئے اور انھوں نے پوچھا، 'ارے یہ کیا کر رہے ہو۔' پنو نے بہت بھولے پن سے کہا، 'پہیے لگا رہا ہوں۔ آپ ہی تو کہہ رہے تھے یہ ریڈیو نہیں چل رہا ہے۔' انھوں نے ہنستے ہوئے پنو سے ریڈیو لے لیا ورنہ ریڈیو کا پوسٹ مارٹم ہو جاتا۔

پنو اپنے چاچا سے خوب باتیں بناتا تھا۔ انھیں بھی اس سے بات کرنے میں بڑا مزہ آتا تھا۔ گرمیوں میں پنو

ان کے ساتھ گھر کی چھت پر سوتا تھا اور لیٹتے ہی باتیں کرنا شروع کر دیتا۔ جو بھی سمجھ میں آتا، پوچھتا رہتا۔ سوالوں کی بوچھار کرتا۔ ایسا کیوں ہے؟ یا ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اب جیسے رات کیوں ہوتی ہے؟ ستارے کیا ہوتے ہیں؟ چاند کیوں چلتا ہے؟ وغیرہ۔ ایک دن جب وہ چاچا کے ساتھ لیٹا تو اس نے اپنا منھ چادر سے ڈھک لیا اور باتیں کرنے لگا۔ چاچا نے کہا، 'ارے یہ منھ ڈھک کر باتیں کیوں کر رہے ہو۔'

پنو نے جواب دیا 'وہ توڑو کی وجہ سے۔'

'توڑو یہ کیا بلا ہے؟' چاچا نے اس سے پوچھا۔

پنو نے ان سے ہی پوچھ لیا 'چاچا یہ توڑو کیا ہوتا ہے؟'

چاچا کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ پنو کیا کہہ رہا ہے۔ وہ سمجھے چادر سے منھ ڈھکا ہے اس لیے اس کے الفاظ سمجھ میں نہیں آرہے ہیں۔

وہ بولے 'ارے بیٹا، منھ پر سے چادر تو ہٹاؤ تبھی تو معلوم ہوگا تم کیا کہہ رہے ہو۔'

پنو نے چادر کو اور زور سے اپنے چہرے پر جکڑتے ہوئے کہا، 'نہیں میں چادر نہیں ہٹاؤں گا اگر توڑو آ گئے تو۔'

اب تو چاچا جھنجلا گئے اور بولے، 'کیا توڑو، توڑو لگا رکھا ہے۔ اچھا تم سو جاؤ۔'

بڑی مشکل سے پنو کی ٹرٹر ختم ہوئی اور وہ سو گیا۔

دوسرے دن کی بات ہے پنو تو کھیل میں مست تھا۔ چاچا پنو کے ابا کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔

تبھی پنو کے ابا نے کہا، 'ارے بھئی، تم سب لوگ اوپر سوتے ہو، زینے کے دروازے کی کنڈی اچھی طرح لگا لیا کرو۔ آج کل چوروں نے بڑا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ کل برابر کے گھر میں چور آ گئے تھے۔ وہ بہت سا سامان چوری کر کے لے گئے۔ چور اپنے گھر بھی آ سکتے ہیں۔'

اب تو چاچا کا ہنستے ہنستے برا حال ہو گیا۔ پنو کے ابا بولے، 'ارے تمھیں کیا ہو گیا، یہ ہنسنے کا دورہ کیسے پڑ گیا۔'

وہ بولے، 'کیا یہ بات آپ نے پنو کو بھی بتائی تھی۔'

'پنو کو تو نہیں لیکن ہاں اس کی ماں اور سب بچوں کو بتائی تھی مگر ہاں، وہ بھی موجود تھا'

چاچا بولے، 'اچھا اب سمجھ میں آیا تو وہ چوروں کی بات کر رہا تھا، ارے کل گھنٹوں اس نے میرا دماغ کھایا ہے۔'

'اگر توڑو آ گئے تو' اور میری سمجھ میں ہی نہیں آرہا تھا یہ کیا کہہ رہا ہے مگر یہ چوروں کی جگہ توڑو کیوں کہہ رہا تھا۔'

'اس کے سمجھنے میں کچھ غلطی ہو گئی ہوگی'۔ پنو کے ابا نے کہا۔

رات میں پنو کے چاچا پنو کے پاس آ کر لیٹے اور پوچھا، 'پنو تم چوروں کی بات کر رہے تھے کیا؟'

پنو نے منھ سے چادر ہٹائے بغیر ہی کہا، 'ہاں'

'ارے بیٹا یہ چادر تو ہٹاؤ، ہمیں چوروں سے ڈرنا نہیں چاہیے بس ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ اگر تم بہادری دکھاؤ تو انھیں پکڑ بھی سکتے ہو۔ اب پنو کی تھوڑی ہمت بندھی اور اس نے منھ پر سے چادر ہٹا دی اور چاچا سے پوچھا، 'چاچا یہ توڑو کیسا ہوتا ہیں؟

'بیٹا اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا تھیلا ہوتا ہے، اس کے بال بکھرے بکھرے ہوتے ہیں، پھر اس کے کپڑے بھی تھوڑے خراب ہی ہوتے ہیں۔'

اب کیا تھا پنو کے ذہن پر تو چوروں کو پکڑنے کا بھوت سوار ہو گیا۔ وہ ہر وقت اس ادھیڑ بن میں رہتا کہ

توڑو کو کیسے پکڑے۔ ایک دن کی بات ہے پنو گھر کے باہر کھیل رہا تھا کہ ایک آدمی اپنے کندھے پر تھیلا ڈالے، بکھرے بکھرے بالوں اور بدحواسی کے عالم میں پنو کے سامنے آ گیا۔ جیسے ہی پنو کی نظر اس پر پڑی پنو سمجھ گئے یہ 'توڑو' ہے۔ پنو نے شور نہیں مچایا کیونکہ اس کے چاچا نے کہا تھا کہ ہوشیاری دکھاؤ گے تو چوروں کو پکڑ سکتے ہو۔ یہ بات ذہن میں آتے ہی پنو خاموشی سے اس آدمی کے پیچھے لگ گئے۔ اور پھر تھوڑا آگے جا کر پنو نے اس کا پیر پکڑ لیا اور چلانے لگا، 'توڑو، توڑو۔ میں نے توڑو کو پکڑ لیا' اس بے موقع حملے سے وہ آدمی بھی گھبرا گیا اور چلّانے لگا، 'ارے بچے میرا پیر چھوڑ، میں کباڑی ہوں'۔

پنو اور کباڑی کی آوازیں سن کر محلے کے لوگ اپنے گھروں سے نکل آئے۔ اس کے بھائی بھی باہر آ گئے۔ گلی کا منظر بڑا عجیب تھا پنو نے اس کباڑی کا پیر بری طرح جکڑ رکھا تھا اور کباڑی اس سے پیر چھوڑنے کے لیے کہہ رہا تھا۔ پنو کے بھائی نے اسے سمجھایا، 'پنو، یہ چور نہیں ہے۔'

'لیکن چاچا نے تو کہا تھا اس کے پاس بڑا سا تھیلا ہوتا ہے اور بال بکھرے بکھرے ہوتے ہیں۔' غرض یہ کہ بڑی مشکل سے پنو نے کباڑی کا پیر چھوڑا اور کباڑی بھی ایسا بھاگا کہ پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔

دن بھر پنو بہت اداس رہا۔ رات میں جب چاچا آئے تو پنو نے کہا کہ آج دوپہر میں اس نے توڑو کو پکڑ لیا تھا لیکن سب نے اسے کباڑی کہہ کر چھوڑ دیا۔ چاچا کو ہنسی تو بہت آئی پھر انھوں نے پنو کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر کہا، 'بیٹا تم نے غلطی سے کباڑی کو پکڑ لیا تھا کیونکہ میں تمھیں بتانا ہی بھول گیا تھا کہ توڑو دن میں نہیں آتے ہیں وہ تو رات میں آتے ہیں۔

■

Mohd Qamar Saleem
Flat No.: 302, Building No: 4E
Saushilya CHS, Silver Leaf Reality
Mamdapur, Neral (Karjat)
Raigadh - 410101 (Maharashtra)
Mob.: 9322645061
qamarsaleemin@yahoo.co.in

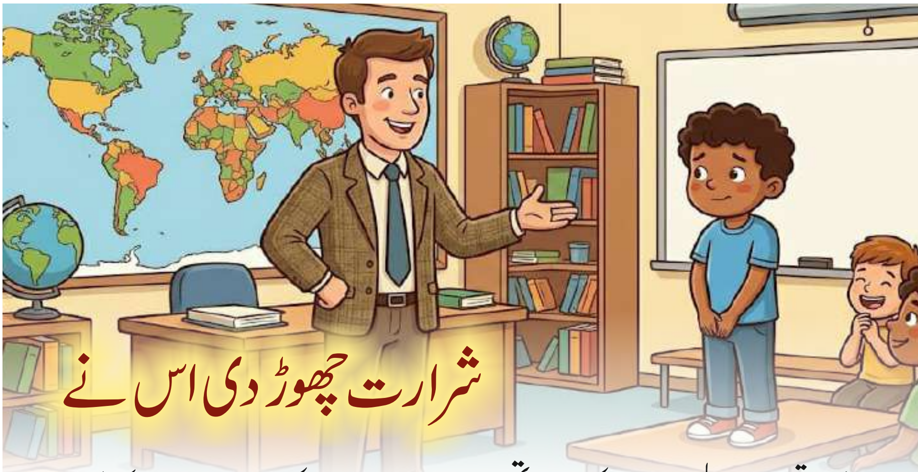

تنویر اختر رومانی

شرارت چھوڑ دی اس نے

انور آٹھویں درجے کا شرارتی طالب علم تھا۔ اس کو پڑھنے لکھنے سے زیادہ کھیل کود، فلم دیکھنے اور سیر و تفریح سے دلچسپی تھی۔ اسکول میں جو ہوم ورک ملتا، کبھی کر کے نہیں لاتا۔ سارے اساتذہ اس سے نالاں تھے۔ شروع شروع میں تو اساتذہ نے سختی کی مگر جب اس کی یہ عادت ہی بن گئی، تو ٹیچروں نے یہ سوچ کر دھیان دینا چھوڑ دیا کہ خود ہی بھگتے گا جب امتحان کا وقت آئے گا۔

تقریباً ایک ہفتہ ہوا، اسکول میں جغرافیہ کے ایک نئے ٹیچر رضوان صاحب آئے تھے۔ انھوں نے ایک دن ہوم ورک کرنے کو دیا تھا۔ عادت کے مطابق اس نے ٹرخا دیا۔ اس کی اس لاپروائی پر رضوان سر نے کان پکڑوا کر بنچ پر کھڑا کر دیا۔ بھلا ایسی سزا سے انور کو کیا فرق پڑتا۔ وہ تو ایسی سزا کا عادی تھا۔ ایک اور دن رضوان سر نے ہوم ورک دیا تو اس نے اس پر بھی عمل نہیں کیا۔ اس بار رضوان سر کا پارہ چڑھ گیا۔ انھوں نے نہ صرف دو چھڑیاں ماریں بلکہ اس کو کلاس سے باہر کر دیا۔ یہ دوہری سزا بالکل نئی تھی۔ اس کے لیے یہ بڑی بے عزتی کی بات تھی۔ نیا ٹیچر اور ایسا رعب جما دے؟ ایسی سزا تو کسی ٹیچر نے نہ دی تھی۔ اس نے رضوان سر کو دھمکاتے ہوئے کہا کہ وہ اس بے عزتی کا بدلہ ضرور لے گا۔

اس نے ایک خطرناک پلان بنایا، جسے اس نے اپنے گہرے دوست قیصر کو بتایا اور ساتھ دینے کی بات کہی۔ حالانکہ قیصر بھی اسی کے مزاج کا تھا۔ اس نے اس پلان میں نہ صرف ساتھ دینے سے منع کر دیا بلکہ انور کو باز رہنے کی ہدایت دی۔ لیکن انور پر اس نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس پر تو انتقام لینے کا بھوت سوار تھا۔

دوسرے دن وہ بستہ لے کر گھر سے نکلا ضرور لیکن اسکول نہیں گیا۔ بلکہ بازار جا کر اچھے قسم کی ایک غلیل خریدی اور ساتھ میں تین چار کانچ کی گولیاں بھی۔

اسکول کے اوقات میں وہ ادھر ادھر گھومتا رہا، اسے اسکول کی چھٹی ہونے کا انتظار تھا، جس سڑک سے رضوان سر کی آمدورفت ہوتی تھی، وہ مشکل سے دس بارہ فٹ چوڑی تھی۔ سڑک کے دونوں طرف چار فٹ نیچے کھیت تھے۔ انور دل ہی دل میں خوش تھا کہ آج جغرافیہ کے ٹیچر کو اچھا مزہ چکھائے گا۔

پانچ بج کر دس منٹ ہو چکے تھے۔ اسکول کی چھٹی

ہو چکی تھی۔سارے طلبہ جا چکے تھے۔چونکہ ٹیچر حضرات پندرہ بیس منٹ بعد اسکول سے نکلتے تھے،اس لیے وہ سب آنے کو باقی تھے۔سائیکل سے آنے والے ٹیچروں میں صرف رضوان سر ہی اس راستے سے آتے جاتے تھے۔

وہ تھوڑی ہی دور پر ایک مکان کی اوٹ میں غلیل لیے کھڑا ہو گیا۔قریب ساڑھے پانچ بجے جغرافیہ کے ٹیچر آتے ہوئے نظر آئے۔ان کی سائیکل کے کیریئر پر ایک آدمی اور بیٹھا ہوا نظر آیا۔دور سے پہچان میں نہیں آیا کہ وہ کون ہے کیونکہ اس آدمی کا چہرہ رضوان سر کی اوٹ میں تھا۔انور نے سوچا، چلو اچھا ہی ہے....ایک نہیں دو سہی.... اور مزہ آئے گا۔

غلیل میں کانچ کی گولی رکھ کر وہ بالکل تیار تھا۔جیسے ہی رضوان سر تھوڑا آگے آئے،انور نے غلیل چلا دی،لیکن نشانہ چوک گیا۔اس نے جلدی سے دوسری گولی رکھ کر غلیل چلائی۔تب تک رضوان سر اور نزدیک آ چکے تھے اور اس بار نشانہ صحیح لگا۔کانچ کی گولی رضوان سر کے ٹھیک ماتھے پر لگی۔اس اچانک حملے سے رضوان سر کا سر چکرا گیا۔انھوں نے 'یا اللہ' کہتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ہینڈل سے ہاتھ ہٹتے ہیں دونوں سوار سائیکل سمیت قلابازی کھاتے ہوئے کھیت میں گر پڑے۔چونکہ کھیت کٹ چکا تھا،اس لیے چوٹ یقیناً بہت آئی ہوگی۔اس راستے پر آنے جانے والوں کی بھیڑ لگ گئی۔کئی لوگ دونوں زخمیوں کو کھیت سے نکالنے میں لگ گئے۔انور یہ تماشا دیکھ کر وہاں سے رفو چکر ہو گیا۔اسے ڈر تھا کہ کہیں کسی کی نظر اس پر نہ پڑ جائے۔

گھر پہنچ کر انور نے کتابیں رکھیں اور کھیلنے چلا گیا۔

ایک گھنٹے بعد وہاں سے لوٹا تو اس نے دیکھا کہ اس کی امّی گھبرائی ہوئی، کہیں جانے کی تیاری کر رہی ہیں۔

اس کے پوچھنے پر امّی نے غم زدہ لہجے میں کہا۔

''چل جلدی سے تیار ہو جا....اسپتال چلنا ہے .... تمھارے ابّو کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے.... وہ اسپتال میں ہیں....میں وہیں جا رہی ہوں۔''

''یا اللہ! یہ کیا ہو گیا....میں نے اُدھر رضوان سر کو چوٹ پہنچائی اور اِدھر میرے ابّو کا ایکسیڈنٹ ہو گیا.... کہیں اللہ نے میری غلطی کی سزا میرے ابّو کو تو نہیں دی ہے؟''اس نے سوچا۔

ماں بیٹے اسپتال پہنچے۔وہاں انور کے والد بیڈ پر لیٹے ہوئے کراہ رہے تھے۔ان کے سر، چہرے اور ہاتھ میں ٹیپ اور پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔

معلوم ہوا کہ بائیں ہاتھ کی ہڈی میں فریکچر بھی ہو گیا ہے۔ابھی پلاسٹر نہیں چڑھایا گیا ہے۔ڈاکٹر راؤنڈ پر آئیں گے تو ان کی ہدایت پر پلاسٹر چڑھایا جائے گا۔

''یہ کیا ہوا ابّو....یہ کیسے ہوا.....آپ کا ایکسیڈنٹ کہاں اور کیسے ہوا؟''انور نے کئی سوال ایک ساتھ کر ڈالے۔اس کی آواز میں حیرانی و پریشانی کی جھلک تھی۔

''کیا بتاؤں بیٹا!''اس کے والد نے کراہتے ہوئے کہا۔''آج ذاکر نگر ایک کام سے گیا تھا.... وہاں سے پیدل ہی آ رہا تھا کہ تمھارے اسکول کے ٹیچر، رضوان صاحب مل گئے، چونکہ وہ مجھے جانتے تھے اس لیے انھوں نے اپنی سائیکل پر بٹھا لیا....راستے میں نہ جانے کس کمینے نے ان کے ماتھے پر پتھر یا کوئی چیز پھینک ماری....رضوان صاحب کے ہاتھ سے سائیکل چھوٹ پڑی اور ہم دونوں

کھیت میں گر پڑے...دونوں کو کافی چوٹیں آئیں ....اللہ اسے ہدایت دے۔''

انور کو کاٹو تو خون نہیں۔اسے ایسا محسوس ہوا کہ رضوان سر کو سبق سکھانے کی بجائے اسے ہی سبق مل گیا ہے۔

اس نے روہانسی آواز میں پوچھا۔''رضوان سر کیسے ہیں....وہ کہاں ہیں؟''

اس کے والد نے بتایا۔''رضوان صاحب بغل والے وارڈ میں ہیں....انھیں بھی کافی چوٹیں آئی ہیں.... کٹی فصل کی کئی کھڈیاں ان کے چہرے میں گھُس گئی تھیں۔''

انور فوراً ہی دوسرے وارڈ میں جا کر رضوان سر کے بیڈ کے پاس کھڑا ہو گیا۔ان کا پورا چہرہ پٹیوں سے چھپا ہوا تھا۔ان کی یہ حالت دیکھ کر انور کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن مارے غم اور ملال کے اس کے منہ سے آواز تک نہیں نکلی۔وہ کافی دیر تک رضوان سر کو دیکھتا رہا اور ندامت کے آنسو بہاتا رہا۔ پھر اس نے دل ہی دل میں عزم کیا کہ رضوان سر جس دن اسکول آئیں گے اسی دن ان سے، اپنا جرم قبول کر کے معافی مانگ لے گا اور اب وہ شرارت کبھی نہیں کرے گا۔

■

Tanweer Akhtar Roomani
59, Chuna Shah Colony
P.O.: Maango
Jamshedpur-831012
Mob.: 7004384853
taroomani@gmail.com

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں بچوں کی دنیا' کا رکن سالانہ خریدار بننا چاہتا رچاہتی ہوں۔

145 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر.................................... بتاریخ...

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرِتعاون سالانہ -/145 روپے IFSC: CNRB0019009، A/C: 90092010045326

میں جمع کروا دیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

Email.: magazines@ncpul.in , فیکس: 011-26108159 فون: 011-26109746

دستخط

اصلاح عصری صابری

بات ایک سیلاب کی...

اندھیری رات تھی، ہر طرف پانی ہی پانی تھا۔ جب تک میں اپنے گھر تک پہنچتا کافی دیر ہو چکی تھی۔ پہلے ابو کو آواز دی پھر اماں کو پھر چھوٹے بھائی کو لیکن پانی کی لہروں کی تیز آواز میں مجھے کسی کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ایک انجانہ سا خوف مجھ پر طاری ہونے لگا تھا، شاید میں سکتے میں آ گیا تھا، منھ سے آواز ہی نہیں نکل پا رہی تھی۔ پورے دن کی تھکاوٹ میرے چہرے پر عیاں تھی۔ تبھی پڑوس سے حامد نے آواز دی۔ شاداب تم ہو جلدی باہر آؤ۔ پانی اتنی تیزی سے بڑھ رہا ہے لگتا ہے اس بار ہمارا گاؤں پوری طرح ہی پانی میں سما جائے گا جیسا کہ 4 سال قبل ہنومان نگر بلاک کے کئی گاؤں کے ساتھ ہوا تھا۔ NDRF کی ٹیمیں گشت پر ہیں۔ کیا تم نے گاؤں خالی کرنے کا سرکاری فرمان نہیں سنا؟ میں ابھی تک سکتے کی کیفیت سے باہر نہیں نکل پایا تھا جواب کے لیے منھ میں جنبش ہوئی لیکن کوئی لفظ ادا نہ ہو سکا۔ بہر حال حامد نے فوراً میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اپنی کشتی میں بیٹھا لیا اور پھر آگے ہر ایک مکان میں آواز دیتا جا رہا تھا کہ اگر کوئی انسان اس مشکل میں پھنسا ہو تو وہ مدد کے لیے ہی وہاں موجود ہے۔ حامد کے ساتھ کشتی میں دو چار اور لوگ موجود تھے۔

مکان دور دور تھے لیکن ہر کوئی ایک دوسرے کو پہچانتا تھا۔ موہن بھی اپنے گھر کی چھت سے چپکا بیٹھا تھا۔ آنکھوں میں نیند اور چہرے پر تھکان صاف نظر آ رہی تھی۔ آواز دینے پر وہ زور سے چلایا اس کی آواز میں خوشی اور غم کے ملے جلے آثار نظر آ رہے تھے۔ کشتی میں آ کر بھی وہ کانپ رہا تھا۔ پوچھنے پر پتہ چلا کہ اس کی سال بھر کی جمع پونجی سیلاب کی نذر ہو گئی ہے اور مویشی بھی بہہ گئے ہیں۔ بیوی بچے مائیکہ گئے ہیں تو وہاں محفوظ ہیں۔ لیکن اس تکلیف میں آنسو آنکھوں سے جاری ہیں کہ اب کیسے گھر چلے گا۔

دور ایک ماسٹر صاحب کا مکان بھی تھا جس میں وہ

اپنی بیٹی کے ساتھ رہتے تھے۔ وہاں دیکھا کہ وہ اپنی 4 سال کی بیٹی کو گود میں لیے اپنے گھر کے اُوسارے میں پرٹہل رہے ہیں اس امید میں کہ کوئی مدد کے لیے آجائے۔ بیٹی کو دو دن سے تیز بخار تھا اور سیلاب کا پانی اتنی تیزی سے بڑھا تھا کہ ان کو وہاں سے نکلنے کا موقع تک نہیں ملا۔ حامد نے انھیں تسلی دی کہ ریلوے لائن کے پاس راحت کیمپ میں کھانا پانی کے انتظام کے ساتھ ڈاکٹرس کی ٹیم بھی بیٹھی ہوئی ہے، ہم جلد ہی وہاں پہنچ جائیں گے۔

آگے آٹا چکی کے پاس کچھ لوگوں کے ہونے کا احساس ہو رہا تھا۔ حامد نے جب آواز دی تو جواب آیا آپ ادھر نہ آئیں پانی میں کرنٹ ہے۔ غور سے دیکھا تو دو بکری، ایک بیل اور تین لوگ جس میں ایک خاتون بھی تھی اس کی زد میں آ کر دنیا سے رخصت ہو چکیں تھیں۔ باقی بچے لوگ گھر کی دہلیز سے یہ سب دیکھ کر افسوس کر رہے تھے۔ حامد نے ہمت کر کے کشتی میں موجود لوگوں کو آواز دیتے ہوئے کہا اب چونکہ گاؤں کا ٹرنسفارمر بھی پانی میں ڈوب چکا ہے اور بجلی گل ہے پھر بھی احتیاط کے طور پر سوکھے راستے سے ہی لوگوں کو نکالنا ہوگا۔ آگے پانی اور بڑھا تو یہ لوگ بھی اس میں ڈوب جائیں گے۔ حامد سمیت دو لوگ جس میں، میں بھی شامل تھا، لگے ہوئے پیڑوں کے اوپر چڑھ کر اس مکان میں داخل ہوئے اور باقی بچے لوگوں کو یہ یقین دلایا کہ وہ ضرور بچ جائیں گے۔ بجلی کے تار کے تمام راستے کو بنا چھوئے گھر کی چھت سے پیڑ اور پیڑ سے کشتی تک لوگوں کو لائے۔ اس میں بڑے، بزرگ، خواتین اور بچے شامل تھے۔ ان حالات میں، میں اپنا غم دل میں لیے اپنوں کو ڈھونڈ رہا تھا کہ شاید کہیں تو مجھے میرے گھر کے لوگ نظر آجائیں۔

ہماری کشتی اب تیزی سے راحت کیمپ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ جب ریلوے لائن کے پاس کشتی پہنچی تب میں بھی سب کے ساتھ راحت کیمپ میں گیا۔ وہاں دیکھا کہ میری والدہ سب لوگوں کو کھانے پینے کا سامان بانٹ رہی تھیں، میرے ابو سب کا نام ایک لسٹ میں لکھ رہے تھے اور بھائی ابو کے پاس ہی بیٹھا تھا۔ انھیں دیکھ کر مجھے لگا کہ مجھے میری زندگی پھر واپس مل گئی۔ اب میری آنکھیں حامد کو تلاش کر رہی تھیں۔ جو پھر سے کسی اور گاؤں میں اپنی کشتی لے کر جا چکا تھا، واقعی وہ ایک فرشتہ صفت انسان تھا جو مشکل وقت میں لوگوں کے کام آرہا تھا۔ مجھے وہ دن یاد آگیا جب وہ اپنے قرض لوٹانے کی مدت بڑھوانے میرے بینک آیا تھا۔ وہ صرف 6 مہینہ مانگ رہا تھا میں چاہتا تو ایسا کرسکتا تھا بینک منیجر کے طور پر مجھے اس کا اختیار تھا لیکن اونچے خاندان کا رعب اور اعلیٰ تعلیم کے غرور نے مجھے ایک غریب کی فریاد سننے سے روک دیا۔ اس کے باوجود اس مشکل گھڑی میں اس طرح پرانے گلے شکوے بھلا کر لوگوں کی خدمت کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دینا بے شک اخلاقی طور پر ایک اعلیٰ انسان کی ہی پہچان تھی۔ آج اس مقام پر میں ادنیٰ ثابت ہوا تھا اور وہ ایک اعلیٰ انسان۔

■

Islah Asri Sabri S/o Amama Sabri
H-669, Block-H, Jaitpur Ext.2
Badarpur, New Delhi- 110044
Mob.: 9999690516
islahasri1988@gmail.com

ابو جان کی کمائی

ٹی این بھارتی

چھ برس کا فہیم صبح سے بہت خوش تھا کیونکہ آج اس کی سالگرہ تھی۔ سویرے اٹھ کر اس نے نہا دھو کر نئے کپڑے پہنے اور ابو جان سے پیسے لے کر دوستوں کو آواز لگائی۔ دوسری طرف مدیحہ لاجپت نگر جانے کے لیے روانہ ہوئی۔ گلیوں سے پیدل گزرتے ہوئے اس نے دیکھا کہ چھ سات برس کی عمر کے بچے ڈھیر سارے پٹاخے ہاتھوں میں لیے ایک تنگ گلی کی طرف جا رہے ہیں۔ مدیحہ نے تیز قدموں سے بچوں کا پیچھا کیا اور چاروں بچوں کو اپنی گرفت میں لے لیا، لیکن تین بچے کسی طرح بھاگ کر کچھ دور جا کھڑے ہوئے جب کہ ایک بچے کو مدیحہ نے لپک کر پکڑ لیا۔ بیٹا! آپ کا نام کیا ہے؟ فہیم علی! آپ کون سی جماعت کے طالب علم ہیں؟ درجہ دوم میں پڑھتا ہوں۔ یہ پٹاخے کہاں سے لائے ہو؟ فرمان انکل کی دکان سے۔ بیٹا پیسے کس نے دیے؟ آج میری سالگرہ ہے تو ابو جان نے مجھے پچاس روپئے دیے ہیں۔ اتنے میں اس کے تینوں دوست پکارنے لگے اوئے فہیم کہاں رک گیا؟ جلدی چل پٹاخے پھوڑتے ہیں۔ مدیحہ نے تینوں بچوں کو پیار سے اپنے پاس بلایا اور کہا کہ ہم سے دوستی کرو گے؟ پہلے تو آپ تینوں اپنا اپنا نام بتائیں؟ میرا نام 'ڈیوڈ' ہے، میرا نام 'کرشنا' اور میں 'بلجیت سنگھ'۔ آپ سب فہیم کے دوست ہیں! جی ہاں! ہم چاروں پکے دوست اور ہم جماعت ہیں۔ بچوں کا اردو لب و لہجہ مدیحہ کو بہت پسند آیا۔ آپ اردو تو بہت اچھی بول رہے ہیں۔ کیا سبھی آپ اسکول میں اردو زبان پڑھتے ہیں؟ جی ہاں ہم سب اردو پڑھتے ہیں، نصاب میں شامل ایک کتاب اردو زبان میں ہے، باقی کورس انگریزی میں۔

مدیحہ نے بچوں کو شاباشی دیتے ہوئے سوال کیا، بچو! آپ کی ٹیچر نے کلاس میں کبھی یہ بتایا کہ پٹاخے پھوڑنے سے Air Pollution اور Noice Pollution میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ ہم سبھی کے لیے بہت نقصان دہ ہے، یہ باتیں میں اسکول ٹیچر ہونے کے ناطے آپ کو سمجھا رہی ہوں۔ آپ کون سے اسکول کی میم ہیں؟ کرشنا نے پوچھا۔ مدیحہ نے اسکول کا نام بتایا۔ آپ کون سا سبجیکٹ پڑھاتی ہیں؟ ڈیوڈ نے سوال کیا۔ سائنس ٹیچر ہوں۔ ارے واہ میم بلجیت سنگھ نے خوشی ظاہر کی۔ کرشنا فہیم کے ہاتھ سے کبھی ماچس تو کبھی پٹاخے کی لڑی چھین رہا تھا، لیکن فہیم نے پٹاخے کا ڈبہ مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ جب کہ ڈیوڈ اور بلجیت خاموش تھے۔

مدیحہ نے کرشنا کو مخاطب کیا! بیٹا تم ٹیچر کا کہنا کیوں نہیں مانتے؟ پٹاخے پھوڑنا گندی عادت ہے۔ کرشنا نے فوراً جواب دیا۔ پٹاخے میں نہیں فہیم لایا ہے۔ میرے پاپا تو ہمیشہ پٹاخہ پھوڑنے سے منع کرتے ہیں۔

بلجیت سنگھ اور ڈیوڈ بھی ایک ساتھ بول پڑے۔ ہم نے نہیں خریدے یہ بم پٹاخے۔ چرچ کے فادر نے پٹاخہ جلانے کے لیے منع کیا ہے۔ واہے گرو کی خالصہ تے واہے گرو کی فتح۔ میں نے بھی نہیں خریدے۔ بلجیت سنگھ نے جوشیلے انداز میں کہا۔ مدیحہ نے فہیم سے پوچھا بیٹا! پیسے کس نے دیے؟ اس نے جواب دیا ''ابو جان نے'' تمھارے ابو کیا کام کرتے ہیں؟ آٹو رکشہ چلاتے ہیں اور میری امی پڑوس کے گھروں میں روٹی پکاتی ہیں۔ اف! مدیحہ کے منھ سے بے ساختہ نکلا۔ کبھی آپ نے سوچا ہے کہ ابو جان کتنی محنت سے یہ پیسے کماتے ہیں۔ سردی، گرمی، برسات ہر موسم میں آٹو چلا کر آپ کی ضرورت پوری کرتے ہیں۔ آپ کی امی بھی اتنی محنت صرف اس لیے کرتی ہیں کہ تم اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد کسی قابل بن سکو۔ جی میم! میرے ابو تو بخار میں بھی آٹو چلاتے ہیں اور اس کی ممی تو عید کے دن ہمارے گھر روٹی پکانے آتی ہیں۔ درمیان میں ڈیوڈ بولا۔ مدیحہ کی آنکھیں نم ہوگئیں۔ اس نے روہانسے لہجے میں کہا فہیم تم نے کبھی سوچا ہے کہ اپنے امی ابو کی خون پسینے کی کمائی کو تم کس طرح برباد کر رہے ہو۔ پٹاخوں سے نکلنے والا اور خطرناک آوازوں سے پیدا ہونے والا Air Pollution اور Noice Pollution انسان، چرند، پرند، پیڑ پودوں سب کے لیے کتنا نقصان دہ ہے۔ میں سائنس ٹیچر ہونے کے ناطے سمجھا رہی ہوں، کہ اچانک فہیم بول پڑا، میم! ہمارے کورس میں تو سائنس کی کتاب نہیں ہے، ہم سائنس نہیں پڑھتے، SVE پڑھتے ہیں۔

مدیحہ نے مسکراتے ہوئے کہا ابھی تم سب بہت چھوٹے ہو، جب تھوڑا بڑے ہوگے اور بڑی کلاس میں جاؤ گے تو سائنس کا بھی مطالعہ کرو گے۔

دیکھو بچو! Noice Pollution اور Air Pollution کا تعلق بھی تو SVE سے ہی ہے۔

میم ہمیں Air Pollution اور Noice Pollution کا مطلب بتائیے پلیز! ڈیوڈ بولا۔ اس کا تعلق پٹاخے سے کیا ہوتا ہے؟ کرشنا نے اگلا سوال کیا؟ اچھا چلو بچو! سامنے پارک میں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔ ابھی تو ہمارے پاس آدھا گھنٹہ ہے، امی جان نے ہم کو ایک گھنٹہ کھیلنے کی اجازت دی ہے، چلو! چلو! چلیں! سب بچے مدیحہ کے ساتھ پارک کی طرف چلے گئے۔

بیٹھ جاؤ بچو! میری بات غور سے سنو! SVE مطلب ماحولیاتی سائنس ہے۔ میم! ماحولیاتی سائنس کا مطلب کیا ہے؟ بلجیت سنگھ نے برجستہ سوال کیا۔ سمجھو زمین سے لے کر آسمان تک جتنی بھی چیزیں ہیں وہ سب ماحولیات کا حصہ ہیں۔ پیڑ پودے، چرند، پرند، انسان سب ماحولیات میں شامل ہیں۔ تو کیا سمندر، ندی، پہاڑ، چاند، تارے اور سورج بھی ماحولیات کا حصہ ہیں؟ فہیم کے سوال پر مدیحہ چونک گئی، ارے واہ بیٹا! فہیم آپ نے بہت اچھا سوال کیا ہے؟

ہاں بیٹا! ان سب کا شمار بھی ماحولیات میں ہوتا ہے۔ ارے میم Air Pollution اور Noice Pollution کے بارے میں بھی کچھ بتائیے۔ ڈیوڈ نے چہک کر کہا۔ تو بچو! Air Pollution کا مطلب ہوا کو گندا کرنا اور Noice Pollution کا مطلب شور شرابے سے ماحول میں گندگی پیدا کرنا ہے۔ بچو! پٹاخے اور گاڑیوں سے جو دھوئیں نکلتے

ہیں انھیں Air Pollution کہا جاتا ہے،ان سے انسان اور جانور دونوں بیمار پڑ جاتے ہیں۔ان سے سانس لینے میں دشواری ہوتی ہے! بچے استھما کا شکار ہوجاتے ہیں۔

میم! استھما کون سی بیماری ہوتی ہے؟ کرشنا نے حیرت انگیز لہجے میں پوچھا، دیکھو بچو! اس بیماری سے کھانسی، زکام، گلے اور پھیپھڑوں میں تکلیف ہوتی ہے۔

اوہو! تو میم یہ بات ہے، اچھا پھر Noice Pollution کیا ہے؟ کرشنا نے سوال کیا۔

بچو! جب آپ نے پٹاخے جلائے تو اس میں سے خطرناک آواز نکلی یا پھر تیز آواز میوزک اور سڑک پر چل رہی گاڑیوں کے ہارن بجانے سے ماحول گندہ ہوجاتا ہے۔تیز آواز کا ہمارے کانوں سے ٹکرانا مطلب بہرہ پن کی بیماری کا شکار ہونا ہے۔موٹر سائیکل چلا رہے بہت سے لوگ سڑک پر تیز آواز میں ہارن بجاتے ہیں، رات میں ٹرک ڈرائیور کے ہارن بجانے سے بھی ماحول آلودہ ہوجاتا ہے۔

میم! آلودہ کا کیا مطلب ہے؟ یہ لفظ تو پہلی بار سنا ہے، ڈیوڈ نے مدیحہ کی طرف نظریں گھما کر پوچھا۔

مدیحہ نے قہقہہ لگاتے ہوئے جواب دیا، ڈیوڈ بیٹا! آلودہ مطلب 'گندا'۔گاڑیوں کے ہارن اور پٹاخے کی تیز آواز سے ماحول گندہ ہوجاتا ہے؟ چاروں بچے ایک ساتھ بول پڑے، پٹاخہ بہت خراب چیز ہے۔فہیم نے کہا، میم! دہلی پولیس نے بھی تو بم پٹاخہ جلانے پر پابندی لگا رکھی ہے۔ہاں بیٹا! آپ نے ایک دم درست کہا۔

اب سوچو ذرا اگر تم ان پیسوں سے کوئی پھل خرید کر کھا لیتے تو جسم میں طاقت آتی، دماغ تیز ہوتا۔میم جی ناریل پانی بھی تو طاقتور ہوتا ہے۔ڈیوڈ پھر بولا۔ فہیم یار تو ناریل پانی خرید لیتا، ہاں بیٹا! ڈیوڈ ناریل پانی بہت فائدہ بخش چیز ہے۔فہیم نے گردن جھکاتے ہوئے کہا سوری میم! آئندہ کبھی یہ غلطی نہیں کروں گا۔فہیم کے دوستوں نے پٹاخے کے ڈبوں کو توڑ دیا۔مدیحہ نے بچوں کے ہاتھ سے باقی پٹاخے لے لیے اور دکان کی جانب قدم بڑھائے۔دکاندار کو اچھی خاصی ڈانٹ لگائی۔اب دکاندار نے فہیم سے پٹاخے لے کر چالیس روپے واپس کر دیے۔ساتھ ہی دکاندار نے کہا کہ میم! آپ نے درست فرمایا کہ مجھے پٹاخے نہیں بیچنے چاہئیں۔واقعی بچے تو ناسمجھ ہوتے ہیں، غلطی ہم دکانداروں کی ہے۔مدیحہ نے فہیم کو گلے لگاتے ہوئے کہا کہ سالگرہ مبارک ہو بیٹا! اعلیٰ تعلیم حاصل کرو، خوب ترقی کرو۔وعدہ کرو مستقبل میں پٹاخے سے ماحول آلودہ نہیں کرو گے۔ فہیم نے روہانسے لہجے کہا۔وعدہ کرتا ہوں کبھی پٹاخے نہیں خریدوں گا! ابو کی کمائی کو اب کبھی میں اس طرح ضائع نہیں کروں گا۔ میم! وہ سامنے پنک والا گھر میرا ہے۔آج شام چھ بجے میری سالگرہ پارٹی میں ضرور آئیے۔میں انتظار کروں گا۔ڈیوڈ کرشنا اور بلجیت نے قدرے مسرت سے کہا سالگرہ مبارک ہو! سالگرہ مبارک ہو فہیم! شام کو ملتے ہیں۔گڈ بائے دوست! گڈ بائے دوستو!!

■

T.N. Bharti
N-22, Sailing Club Road
Jamia Nagar, Okhla
New Delhi- 110025
Mob.: 8802254915
selfdefencebharti@gmail.com

قسط 1

انوکھے شکاری

مصنف: شمس الاسلام فاروقی

مصور: محمد خالد فاروقی

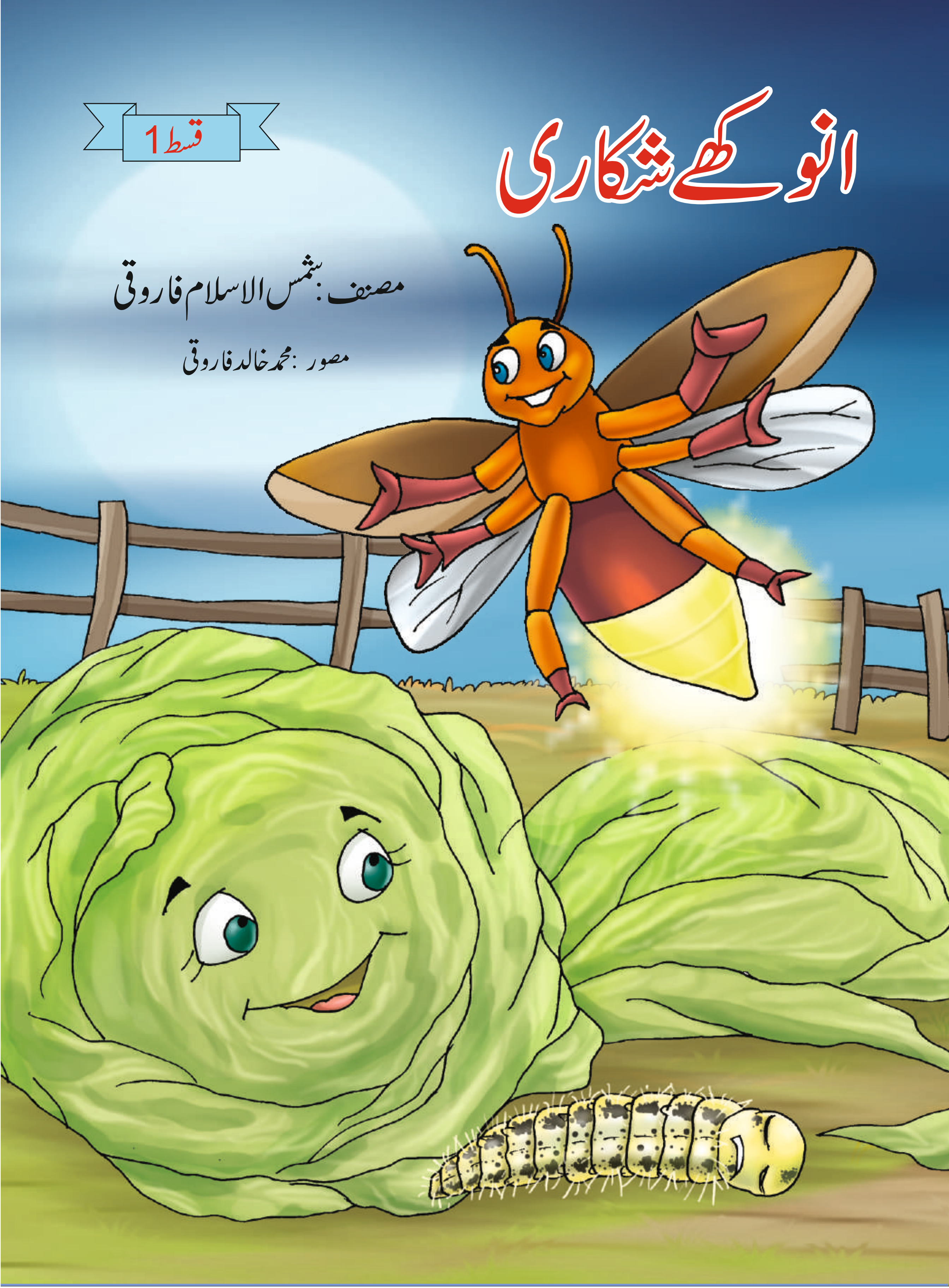

لیمپائرس نام کا ایک جگنو اپنے پیٹ کے قمقموں کو روشن کیے ہوئے ادھر سے ادھر اڑتا پھر رہا تھا- اسے اس وقت کسی موٹے تازے گھونگھے کی تلاش تھی تاکہ بیوی بچوں کے کھانے کا انتظام ہو سکے- اڑتے اڑتے اچانک اس کا ایک پر کسی چپچپی سی تار جیسی چیز سے ٹکرایا اور وہیں چپک گیا- اس نے زور سے جھٹکا دے کے خود کو الگ کیا، پلٹ کر دیکھا تو سہم گیا- یہ تو بی مکڑی کا جالا تھا جو اس نے دو درختوں کے درمیان تان رکھا تھا- وہ تو خیر ہوئی اس کے پر کا کنارہ ہی جالے سے ٹکرایا تھا ورنہ تو وہ پورا کا پورا بھی اس میں پھنس سکتا تھا- اس نے دیکھا جالے میں جگہ جگہ کئی مچھر، مکھیاں اور پروانے اٹکے ہوئے تھے اور ایک کونے میں بی مکڑی بیٹھی مسکرا رہی تھیں -

انھوں نے جگنو کو اپنے طرف دیکھتے ہوئے پایا تو بہت پیار سے بولیں:

"آؤ آؤ جگنو بھائی کہاں سے آرہے ہو۔ بہت تھکے ہوئے لگتے ہو۔ اچھا تھا ذرا دیر میرے گھر میں آرام کر لیتے۔" جگنو نے یہ سن کر جواب دیا:

"معاف کرنا بی مکڑی۔ تمھارے گھر کا آرام تم ہی کو مبارک ہو۔ اس گھر میں آرام کرنے کا مطلب میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ مکھیوں، مچھروں اور پروانوں کا حال تو میں دیکھ ہی رہا ہوں۔ میں ابھی مرنا نہیں چاہتا۔ میری بیوی اور بچہ میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ مجھے صبح سے پہلے ہی ان کے پاس گوبھی کے کھیت میں پہنچنا ہے۔"

2

یہ کہہ کر جگنو چلنے لگا تو مکڑی بولی:

" جگنو بھائی اب تم سے کیا چھپانا — پیٹ تو سب ہی کو بھرنا ہوتا ہے — یہ مچھر، مکھیاں اور پروانے میرا کھانا ہیں — میں تمھاری طرح اڑ کر تو جا سکتی نہیں اس لیے یہ انتظام کیا ہے کہ مجھے گھر بیٹھے ہی کچھ کھانے کو ملتا رہے — تم بھی تو لگتا ہے اسی کی تلاش میں نکلے ہو — اگر کچھ نہ ملا ہو یہی مکھیاں اور مچھر لیتے جاؤ — میرے لیے کچھ اور انتظام ہو جائے گا — "

"بی مکڑی بہت بہت شکریہ — یہ مکھیاں اور مچھر میرے بیوی بچوں کے کھانے کی چیز نہیں ہیں — ہم تو بس گھونگھوں کا نرم نرم گوشت ہی پسند کرتے ہیں ۔" جگنو نے کہا—

یہ کہہ کر جگنو وہاں سے چل پڑا— رات ختم ہو رہی تھی اور صبح ہونے والی تھی — وہ جلد از جلد اپنی بیوی اور بچے کے پاس پہنچنا چاہتا تھا— کچھ دور چلنے کے بعد اسے اپنے قمقموں جیسی روشنی دکھائی دی— وہ سمجھ گیا کہ یہ اس کی بیوی اور بچہ ہیں— وہ گوبھی کے کھیت کے کنارے ان کے پاس اتر پڑا— اس نے دیکھا بیوی بچے کے سامنے ایک موٹا تازہ گھونگھا پڑا تھا اور وہ اس کا انتظار کر رہے تھے— جگنو کی بیوی اور بچہ دونوں ہی گنڈار جیسی شکل کے تھے— ان کے پر نہیں تھے اور وہ اپنے پتلے پتلے تین جوڑی پیروں کی مدد سے اپنے بھاری بھرکم جسم کو بڑی مشکل سے گھسیٹ کر چلتے تھے—

4

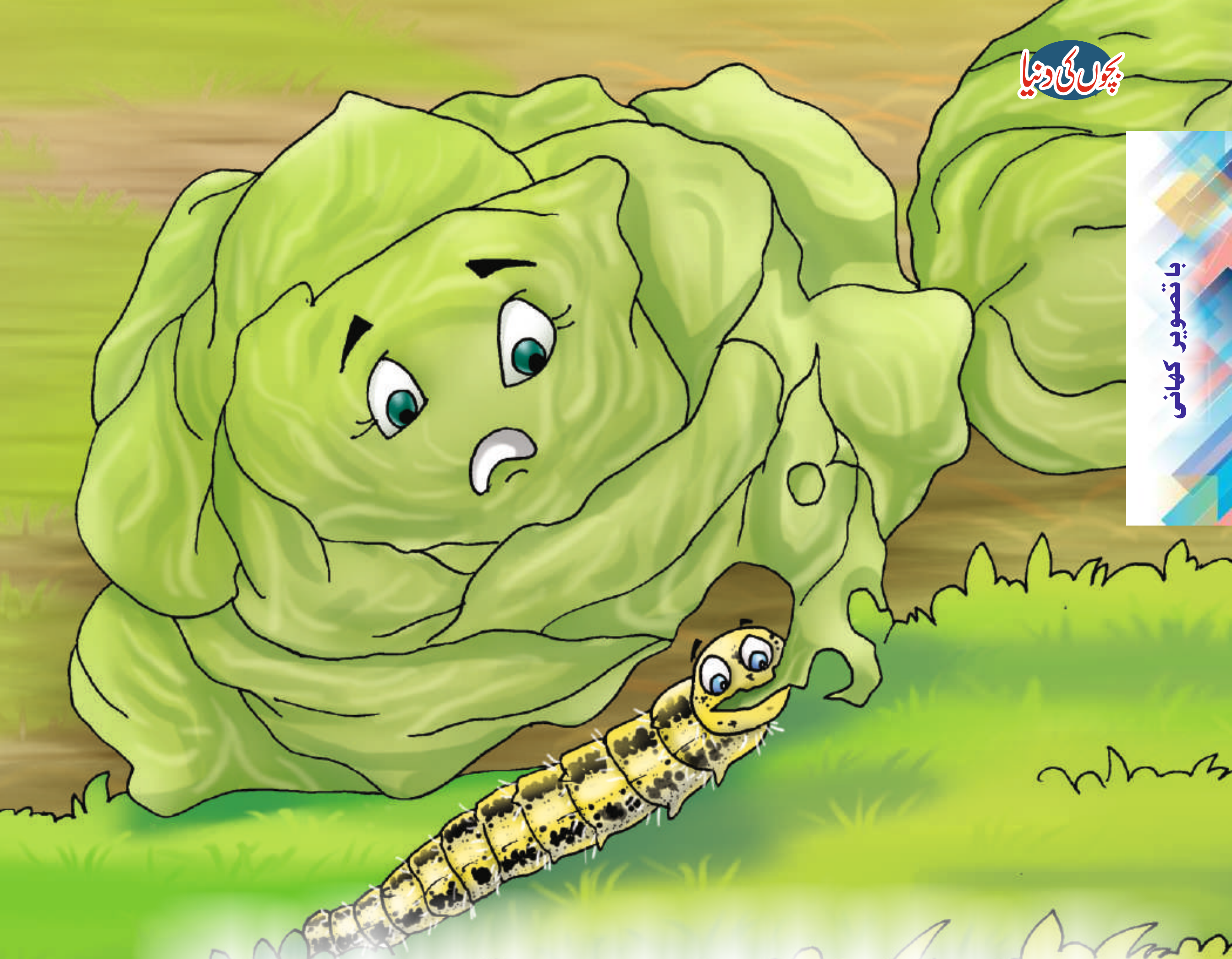

اسی لیے شکار لانے کا کام جگنو ہی کرتا تھا، مگر آج کچھ ایسا ہوا کہ اسے شکار نہ مل سکا تھا- اسے دیکھتے ہی بیوی بولی:

" آؤ آؤ تم یوں ہی ادھر ادھر پریشان ہوتے پھر رہے ہو- یہ گھونگھا تو ہمیں یہیں پتّہ گوبھی کے کھیت کے پاس ٹہلتا ہوا مل گیا جو شاید گوبھی کے پتّے کھانے جا رہا تھا-" سب نے مل کر گھونگھے کے نرم نرم گوشت سے اپنی بھوک مٹائی- ان کا کھانا ابھی ختم ہی ہوا تھا کہ انھیں ہلکی ہلکی کراہنے کی آواز سنائی دی- یہ آواز پتّہ گوبھی کے کھیت سے آ رہی تھی- انھوں نے ذرا آگے بڑھ کر دیکھا تو پتہ چلا کہ ایک موٹا تازہ کیٹر پلر پتّہ گوبھی کے نرم نرم پتّوں کو اپنے بڑے بڑے تیز دانتوں سے بڑی بے دردی سے چبا چبا کر کھا رہا تھا اور پتّہ گوبھی تکلیف سے کراہ رہا تھا-

باقی آئندہ .....

ہم اور ہمارے سمندر

بچو! قدرت نے زمین پر ہمیں دو بڑی نعمتوں سے نوازا ہے، ایک ہوا اور دوسرا پانی۔ ہوا کے بغیر تو ہم ایک منٹ سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتے مگر پانی کے بغیر کچھ دنوں کی مہلت ضرور مل سکتی ہے۔ سمندر پانی کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ اس لیے سمندروں کا ذکر کرنے سے پہلے مناسب ہے کہ پانی کے بارے میں کچھ جانکاری حاصل کر لی جائے۔

پانی دو گیسوں یعنی ہائڈروجن اور آکسیجن کا مجموعہ ہوتا ہے۔ دو حصے ہائڈروجن اور ایک حصہ آکسیجن کے ملنے سے پانی کا وجود ہوتا ہے۔ کیمیا کی اصطلاح میں اس کو H_2O کہتے ہیں۔ یہ ٹھوس، سیال اور گیس تین شکلوں میں موجود ملتا ہے۔ نقطۂ انجماد پر برف بن جاتا ہے۔ اس سے اوپر سیال، جب کہ گرم ہونے پر عمل تبخیر (Evaporation) سے گیس بن کر فضا میں مل جاتا ہے، جسے ہم ہوا کی رطوبت (Humidity) کے نام سے جانتے ہیں جو ٹھنڈک سے آلودہ ہو کر کہر (Fog)، کہاسا (Mist)، شبنم (Dew) بادل (Cloud)، بارش اور کبھی اولے (Hail) کی شکل میں ظاہر ہوتا رہتا ہے۔

پانی سطح زمین پر اور فضا میں تو رہتا ہی ہے مگر قدرت نے اس زمین کے اندر بڑے ذخائر بھی بنا رکھے ہیں جن سے ہم سب انسان فائدہ حاصل کرتے رہتے ہیں۔ یہی نہیں پانی پیڑ پودوں، انسانوں اور جانوروں کے جسموں میں بھی موجود رہ کر ان کی زندگی کی ضمانت ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ ہم انسانوں کے جسم کا 80 فیصد حصہ پانی ہی ہے۔ ضرورت سے زیادہ کم ہو جائے تو پانی چڑھانے (Sline) کی ضرورت آن پڑتی ہے۔ یہ پانی بھی دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک ہمارے تمھارے عام استعمال کا سادہ پانی۔ جس میں نہ تو کوئی رنگ ہوتا ہے، نہ ہی بو اور نہ ہی کوئی مزہ۔

It is odourless,colourless and tasteless too

دوسرے قسم کا پانی بھاری پانی (Heavy Water) کہلاتا ہے۔ یہ ڈیٹیریم (Detuerium) نامی عنصر سے بھرا

ہوتا ہے۔یہ پانی نیوکلیر پاور پلانٹ میں موڈریٹر (Moderator) کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے جس سے گھریلو بجلی بنائی جاتی ہے۔اس پانی کا کیمیائی نام D2O ہے۔

HYDROCYCLE

جیسا کہ ہمیں معلوم ہوا کہ پانی زمین پر ہر جگہ عمل تبخیر (Evaporation) کے ذریعے فضا میں بھاپ بن کر ملتا رہتا ہے۔یہی نہیں بلکہ پیڑ پودوں سے نکل کر عمل تخر تیج Transpiration سے بھی ہوا میں شامل ہوجاتا ہے۔ان دوفطری اسباب کے مشترکہ عمل کو Evapotranspiration کہتے ہیں۔ پھر ٹھنڈک سے بادل بنتا اور بارش کی شکل میں ندی نالوں کے ذریعے واپس سمندر میں پہنچ جاتا ہے۔ اس پورے فطری عمل کو دورانِ آب یعنی Hydr ocycle کہتے ہیں۔بارش کا کچھ حصہ پہاڑوں پر برف بن کر جمتا اور کچھ اندرون زمین پہنچ کر پیڑ پودوں اور ہماری ضرورتوں کا ضامن بنتا ہے۔

بچو! یہ باتیں تو پانی کے سلسلے کی تھیں۔اب کچھ سمندروں کے بارے میں بھی جانکاری حاصل کر لی جائے۔ سمندر پانی کے عظیم ذخائر ہیں،جنھوں نے سطح زمین کا 71 فیصد رقبہ گھیر رکھا ہے۔خشکی تو محض 29 فیصد ہی ہے۔ سطح زمین کا کُل رقبہ 51 کروڑ مربع کلومیٹر ہے جس کے 36 کروڑ مربع کلومیٹر پر سمندروں نے گھیر رکھا ہے۔خشکی تو محض 14.9 یعنی موٹے طور پر 15 کروڑ مربع کلومیٹر تک ہی محدود ہے۔

عام طور پر مشہور ہے کہ سمندر سات ہیں مگر حقیقتاً یہ چار ہی ہیں۔بحرالکاہل (Pacific Ocean)،اوقیانوس (Atlantic)،بحر ہند (Indian Ocean) اور بحر آرکٹک (Arctic Ocean)۔بحر عرب اور خلیج بنگال کو بحر ہند سے اگر الگ کرلیا جائے تو بھی ان کی تعداد چھ ہی رہتی ہے۔ بڑے سمندروں کو Ocean اور چھوٹے نیز حاشیائی سمندروں کو Sea کہا جاتا ہے۔چھوٹے سائز کے سمندر خشکی پر بھی پائے جاتے ہیں۔مثلاً کیسپین (Caspian Sea)،بحر اسود (Black Sea)،ارل (Aral Sea) وغیرہ۔بحر روم اگرچہ سائز میں نسبتاً بڑا ہے مگر اوقیانوس (Ocean) کا حاشیائی سمندر ہی کہلاتا ہے۔حاشیائی سمندروں کی تعداد 20 ہے۔ان کے نام اور محلِ وقوع کسی مناسب اسکول اٹلس (Atlas) میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

سمندروں سے فائدے

بچو! یہ تو سمندروں کا مختصراً تعارف تھا۔اب ان سے انسانوں کے فائدے کی کچھ بات کر لی جائے۔ سمندروں سے پانی بارش کی شکل میں ہم تک پہنچتا رہتا ہے مگر اس کے علاوہ اور بھی بہت سے فائدے انسان زمانہ قدیم سے اٹھاتا آرہا ہے اور آج بھی اُٹھا رہا ہے۔ غذا کے لیے تو مچھلیاں تھیں اور آج بھی ہیں۔دولت کے لیے ہیرے موتی نیز دواؤں کے واسطے جڑی بوٹیاں وغیرہ ہم انسانوں کے کام آتی رہی ہیں اور آج بھی آ رہی ہیں۔اب تو تہہ آب سمندری فرش کے نیچے پٹرول اور گیس کے بڑے ذخائر کا بھی پتہ چل گیا ہے اور ان سے بھی استفادہ کیا جارہا ہے۔

مگر ان میں سب سے اہم ہماری غذا میں نمک کی چاشنی ہے۔اس کے بغیر غذا پھیکی اور بدمزہ ہوتی ہے،مگر اس کی ذرا سی زیادتی ہماری زبان کو برداشت نہیں۔

چنانچہ خدا نے ہوا اور پانی کی طرح نمک کی بے انتہا مقدار خشکی سے الگ پانی ہی میں ملا رکھی ہے۔ چنانچہ سمندری پانی میں نمک کو ملاحت بحر اور انگریزی میں Oceanic Salinity کہتے ہیں۔

ملاحت بحر (The Oceanic Salinity)

سمندری پانی میں ویسے تو سات طرح کے نمک ہوتے ہیں مگر ان میں ہمارے کھانے کا نمک سوڈیم کلورائڈ بہت اہم ہے۔ ان سب کا تناسب ذیل کی فہرست میں دیکھا جاسکتا ہے:

Sl. No.	Salt	Qty, in 1000 grams of water
1.	Sodium Chloride	27.20
2.	Magnesium	03.80
3.	Magnesium Sulphate	01.70
4.	Calcium Sulphate	01.30
5.	Potassium Sulphate	00.90
6.	Calcium Carbonate	00.12
7.	Magnesium Bromide	00.08

نمک کے سلسلے میں یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ ندیاں بھی چٹانوں کا نمک تحلیل کر کے سمندروں میں ملاتی رہتی ہیں۔ مگر یہ نمک کیلشیم سلفیٹ ہوتا ہے جب کہ سمندروں کا سوڈیم کلورائڈ ہے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ سمندر کا نمک قدرتی طور اسی کی اپنی پیداوار اور اسی کا اپنا طبیع وصف (Physical character) ہے جو کئی طرح سے پانی کی کثافت، آبی تموج (Ocean currents) اور مچھلیوں کی پیداوار کو متاثر کرتا ہے۔

سمندری نمک پانی کو متعدد طریقوں سے متاثر کرتا رہتا ہے۔ نمک کی زیادتی پانی کو آلودہ کرنے کا سبب بنتی ہے، نیز یہ پانی کے انجماد (Dreezing) کو بھی روکتی ہے۔ عمل تبخیر (Evaporation) میں اضافہ بھی اس کی کڑواہٹ اور نمکیت میں اضافے کا باعث ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خط استوائی خطے میں جہاں بارش زیادہ ہوتی ہے نمک کی کمی ہوتی ہے جب کہ منطقہ حارّہ (Tropics) میں عمل تبخیر کی زیادتی اور بارش کی کمی کی بنا پر مقدار نسبتاً زیادہ ہوتی ہے۔ پھر سمندروں میں جہاں صاف پانی کے دریا آ کر ملتے ہیں اس میں کمی پائی جاتی ہے۔ خشکی سے گھرے

ہوئے سمندر دو طرح کے ہیں ایک وہ جن میں صاف پانی کے دریا آ کر ملتے ہیں۔ ان میں کڑواہٹ کم ہوتی ہے مثلاً بحر اسود (Black Sea) میں صاف پانی کے کئی دریا گرتے ہیں اس لیے اس میں ملاحت کی مقدار 18 ہی رہتی ہے جب کہ بحر احمر (Red Sea) میں عمل تبخیر اور صاف پانی کے دریاؤں کی عدم موجودگی کے باعث اس کی مقدار 40 دیکھی جاتی ہے۔

خشکی کے اندرون، بڑے سمندروں سے دور اور صاف پانی کے دریاؤں سے مہجور دنیا کی کچھ بڑی جھیلوں اور سمندروں میں نمک بہت زیادہ ہوتا ہے۔ مثلاً امریکہ کی گریٹ سالٹ لیک (Great Salt Lake)، بحر مردار (Dead Sea) اور ترکی کی Van نامی جھیل میں نمک کا تناسب بہت زیادہ یعنی علی الترتیب 220، 240 اور 330 ہے۔ بحر مردار کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس میں انسان کا ڈوبنا محال ہے کیونکہ یہ مردہ انسانی جسم کو قبول ہی نہیں کرتا۔ یہ بھی واضح رہے کہ گہرائی کے ساتھ بھی ملاحت میں کمی آتی جاتی ہے۔ ماہرین کے مطابق 200 میٹر کی گہرائی تک ہی اس کو محسوس کیا جاتا ہے۔ اس سے زیادہ گہرے پانی میں اس کی مقدار رفتہ رفتہ ختم ہوتی جاتی ہے۔

سمندری پانی سے نمک کا اخراج اور صفائی

آج کے اس تکنیکی اور سائنسی دور میں سمندری پانی کو صاف کر کے عام استعمال کا پانی اور نمک نکالنے کی بہتر سائنٹفک تدبیریں اختیار کر لی گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سمندری ساحل پر واقع ممالک میں سمندری پانی کو عام استعمال کے قابل بنانے کے ایسے بہت سے کارخانے قائم کیے گئے ہیں۔ خلیجی ممالک میں بھی اس طرح کے متعدد کارخانے کھولے گئے ہیں جن میں ہمارے نوجوانوں کے لیے روزگار کے اچھے مواقع پیدا ہو چکے ہیں۔ ہمارے نوجوان اس کی ٹریننگ لے کر معاش کا بہتر انتظام کر سکتے ہیں۔

■

Syed Shamim Ahmad Madni
Jamshedpur, Azad Nagar
Post: Mango- 831012 (Jharkhand)
Mob.: 8969850416
shamim.madny40@gmail.com

جواب

1. سر آئزک نیوٹن نے
2. Photosynthesis کے ذریعے
3. ژراف
4. Brassica campestris
5. کبوتر
6. بالی ووڈ
7. انڈین ریلویز
8. مور (Peacock)
9. چنئی، ممبئی، آر سی بی
10. 2025 میں
11. وبھوسوریہ ونشی نے
12. دلیپ کمار کو
13. Central Board of Secondary Education
14. آسام میں
15. الطاف حسین حالی نے
16. پریم چند
17. 10 جولائی 1880
18. عالم آرا
19. بنگال ٹائیگر
20. Indian Institute of Technology

احفاظ الحق انصاری

ایم آئی ایس-سی (MIS-C)، بچوں میں نئی بیماری

پیارے بچو! دسمبر 2019 میں پھیلی وبا، کووِڈ-19 کے بارے میں آپ سب تو جانتے ہی ہوں گے۔ اس خطرناک بیماری کی وجہ سے اسکول، دفاتر، اور کاروبار وغیرہ بند ہوگئے تھے۔ اس بیماری نے آپ بچوں میں ایک نئی بیماری کو جنم دیا جسے Children Multisystem Inflammatory Syndrome in (MIS-C) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس بیماری میں بچوں کو کووڈ-19 انفیکشن کے بعد دو ماہ کے اندر اعضا یا بافتوں، جیسے خون کی نالیوں، نظامِ ہاضمہ، جلد، یا آنکھوں میں سوجن اور جلن ہو جاتی ہے۔ یہ نایاب بیماری ہے اور اس کا پہلی بار اپریل 2020 میں پتہ چلا۔ ماہرین اب بھی اس بیماری کی وجوہات اور اس کے خطرات کا صحیح طور پر اندازہ نہیں لگا سکے ہیں، اس لیے اس بابت ریسرچ اب بھی جاری ہے۔ ایم آئی ایس-سی انفیکشن کے بعد بھی کووڈ-19 کے خطرات بڑھ جاتے ہیں۔ اس انفیکشن کے شکار زیادہ تر بچے ہوتے ہیں جو علاج سے بہتر ہو جاتے ہیں۔ لیکن کچھ بچوں میں اس انفیکشن کا اثر شدید ہوتا ہے، جس کی وجہ سے بسا اوقات موت بھی ہو جاتی ہے۔ تو چلیے بچو، اس بیماری کے بارے میں پوری جانکاری حاصل کرتے ہیں۔

علامات

بچو! ایم آئی ایس-سی کی علامات سنگین ضرور ہیں، لیکن بہتر علاج سے یہ بیماری بہت آسانی سے ختم ہو جاتی ہے۔ اس بیماری کی ایک خاص بات اور بھی ہے وہ یہ کہ بچے بچے میں اس بیماری کی علامات اور شدت کی نوعیت

مختلف ہوتی ہیں۔ یہ بیماری جسم کے کئی اعضا اور نظاموں کو متاثر کرتی ہے۔

بچو! آپ کی جانکاری کے لیے کچھ علامات کا ذکر ضروری ہے۔ اگر کسی بچے میں یہ بیماری 24 گھنٹے سے زیادہ رہتی ہے، تو یہ اس کی ایک علامت ہے، اس کے ساتھ تھکان، جلد پر سرخ دانے، سرخ اور خون آلود آنکھیں، سوجی ہوئی زبان، ہونٹوں کی لالی یا سوجن، ہاتھوں اور پیروں کی لالی یا سوجن، سردی، کھانسی، سانس لینے میں دشواری، خون جمنے کے مسائل، نہایت کم بلڈ پریشر، دھچکا، سر اور گردن میں درد، الٹی، اسہال، یا بھوک میں کمی یا کافی مقدار میں مائعات کا نہ پینا وغیرہ جیسی علامات کسی بچے میں پائی جائیں تو ڈاکٹر سے رابطہ ضروری ہے۔ بہت سے بچوں میں 'کاواسا کی بیماری' کی جیسی علامات دیکھنے کو ملتی ہیں۔ 'کاواسا کی بیماری' اکثر 6 ماہ سے 5 سال کی عمر کے بچوں میں ہوتی ہے۔ یہ بیماری جسم کے دیگر اعضا خصوصاً دل اور ان کی خون کی نالیوں یعنی شریانوں کو متاثر کرتی ہے جس کی وجہ سے ان بچوں میں دل کے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ فوری علاج سے زیادہ تر بچے تقریباً دو ماہ میں ٹھیک ہو جاتے ہیں۔

ہنگامی انتباہی علامات

بچو! اگر آپ کے پیٹ میں شدید درد، سینے میں درد یا دباؤ کا احساس، دل کی تیز یا بے ترتیب دھڑکن، ہلکی سرمئی یا نیلی جلد، ہونٹ یا ناخن، نئی الجھنیں، جاگنے یا جاگے رہنے میں نااہلی جیسی علامات نظر آئیں تو یہ ایم آئی ایس-سی کی ہنگامی اور خطرناک علامات ہیں۔ اگر کسی بچے میں اس طرح کی علامات نظر آئیں تو ڈاکٹر سے فوراً

رابطہ کریں اور اسپتال میں داخل ہو کر فوراً علاج کرائیں۔

وجوہات

ایم آئی ایس۔ سی کی وجوہات کا اب تک پتہ نہیں لگایا جاسکا ہے، اس بیماری میں مبتلا بہت سے بچے ایسے ہو سکتے ہیں جنھیں حال ہی میں کووڈ-19 وائرس کا انفیکشن ہوا ہو۔ کچھ کو وائرس سے موجودہ انفیکشن بھی ہوسکتا ہے۔ یہ بیماری کووڈ-19 کے خلاف دفاعی قوت کے ردعمل میں تاخیر کی وجہ سے بھی ہوسکتی ہے جس سے اعضا کو نقصان پہنچانے والی سوزش ہوتی ہے۔

تشخیص

ایم آئی ایس۔ سی کی تشخیص بچوں میں علامات کی بنیاد پر منحصر ہے۔ لیبارٹری ٹیسٹ اس عمل میں مدد کر سکتے ہیں۔ جسم میں سوزش کی علامات کو دیکھنے کے بعد لیبارٹری ٹیسٹ کے ساتھ۔ بچوں کا کووڈ-19 کا ٹیسٹ مثبت بھی ہونا چاہیے۔ ایک بار جب ایم آئی ایس۔ سی کی تشخیص ہو جاتی ہے، تب وقت کے ساتھ ساتھ بچوں کے مختلف لیبارٹری ٹیسٹ، جیسے خون اور پیشاب کے ٹیسٹ، بشمول خون میں سوزش والے پروٹین کے ٹیسٹ کیے جاتے ہیں۔ ان ٹیسٹ کے ذریعے ان میں سوزش، خون کے جمنے، جگر اور دل کے فعل، اور ان کی بیماری کے دیگر پہلوؤں کا جائزہ لینے کی ضرورت ہوتی ہے جس کے لیے سینے کا ایکس-رے، ایکو، پیٹ کا الٹراساؤنڈ یا سی-ٹی-اسکین وغیرہ ٹیسٹ بھی کیے جاتے ہیں اور ساتھ ہی دل کی بیماری میں مبتلا کچھ بچوں کو دل کا ایم آر آئی، ہالٹر مانیٹر یا ورزش کی جانچ جیسے اضافی ٹیسٹ کی بھی ضرورت پڑ سکتی ہے۔

علاج

اگر کسی بچے میں اس بیماری کی تشخیص ہوجاتی ہے تو اسے اسپتال میں داخل کر کے لیبارٹری ٹیسٹ کے نتائج کی بنیاد پر علاج ضروری ہوجاتا ہے کہ اس بیماری کی وجہ سے اس کے دوسرے اعضا متاثر نہ ہوں۔ اس بیماری سے نجات پانے کے لیے کچھ اور چیزوں کا استعمال ضروری ہے، مثلاً:

1. جسم میں پانی کی کمی کی صورت میں سیال کا استعمال۔
2. سانس لینے میں مدد کے لیے آکسیجن کا استعمال۔
3. صدمے سے متعلق کم بلڈ پریشر کے علاج کے لیے یا دل کی فعالیت میں مدد کے لیے بلڈ پریشر کی ادویات کا استعمال۔
4. سانس لینے والی مشین یعنی وینٹیلیٹر کا استعمال۔
5. خون کے جمنے کا خطرہ کم کرنے والی ادویات جیسے اسپرین یا ہیپرن کا استعمال وغیرہ۔
6. کبھی کبھی نازک ماحول میں دل اور پھیپھڑوں کو متحرک کرنے والی مخصوص مشین کا استعمال۔

خطرے کے عوامل

ایم آئی ایس۔ سی کی تشخیص کرنے والے بچوں کی عمریں اکثر 1 سال سے 11 سال کے درمیان ہوتی ہیں۔ لیکن یہ شکایت ایک سال سے 15 سال کی عمر کے بچوں میں اور اس سے بڑے بچوں میں بھی پائی گئی ہیں۔

پیچیدگیاں

ایم آئی ایس۔ سی کو کووڈ-19 کی پیچیدگی سمجھا جاتا ہے۔ ابتدائی تشخیص اور علاج کے بغیر، ایم آئی ایس۔ سی اہم اعضا، جیسے دل کے ساتھ شدید مسائل کا باعث بن سکتی ہے۔ کچھ معاملات میں، یہ بیماری مستقل نقصان یا

موت کا باعث بن سکتی ہے۔

روک تھام

نیشنل انسٹیٹیوٹ آف ہیلتھ (NIH) کے مطابق، ایم آئی ایس-سی ہونے کے بعد عام طور پر کووڈ-19 کے ٹیکے حاصل کرنا محفوظ سمجھا جاتا ہے جس سے دل کے عضلات کی سوزش یا اس کے دوبارہ ہونے وغیرہ سے بچا جا سکتا ہے۔ امریکہ میں، کووڈ-19 ٹیکے اب 6 ماہ یا اس سے زیادہ عمر کے لوگوں کو لگائے جاتے ہیں۔ ایک ٹیکہ بڑوں اور بچوں کو کووڈ-19 وائرس لاحق ہونے یا پھیلنے سے روک سکتا ہے۔ ساتھ ہی کووڈ-19 ہو جانے کے بعد ایک کووڈ-19 ٹیکہ بڑوں اور بچوں کو شدید بیمار ہونے سے روک سکتا ہے۔

کووڈ-19 وائرس کے انفکشن اور اسے دوسروں تک پہنچنے سے روکنے کے لیے، ڈیسیز فار کنٹرول اینڈ پریوینشن (DCP)، ان احتیاطی قدم اٹھانے کی سفارش کرتا ہے:

1. **ہاتھوں کو صاف رکھیں:** ہاتھوں کو اکثر صابن اور پانی سے کم از کم 20 سیکنڈ تک دھوئیں۔ اگر صابن اور پانی دستیاب نہیں ہیں تو کم از کم 60 فیصد الکحل والے ہینڈ سینیٹائزر استعمال کریں۔
2. **مریض سے فاصلہ رکھیں:** ایسے لوگوں سے دور رہیں جنھیں کھانسی، چھینک، زکام ہو کیونکہ یہ انفیکشن پھیلانے والے ہو سکتے ہیں۔
3. **اپنے اور دوسروں کے درمیان فاصلہ رکھیں:** بھیڑ بھاڑ والی جگہوں پر اپنے اور دوسروں کے درمیان فاصلہ رکھیں۔
4. **چہرے کا ماسک پہنیں:** بھیڑ بھاڑ والی جگہوں پر یا علاقے کے ہسپتال میں کووڈ-19 والے مریضوں کی تعداد اگر زیادہ ہے، تو زیادہ سے زیادہ حفاظتی ماسک پہنیں جو کہ انفیکشن کو روکنے میں مدد کرتے ہیں۔
5. **چہرے کو چھونے سے بچیں:** بچے اپنی ناک، آنکھیں اور منہ کو چھونے سے بچیں۔
6. **منہ کو ٹشو، رومال یا اپنی کہنی سے ڈھانکیں:** چھینکتے یا کھانستے وقت منہ کو ٹشو، رومال یا اپنی کہنی سے ڈھانکیں اور استعمال شدہ ٹشو یا رومال کو پھینک کر فوراً ہاتھ دھولیں۔
7. **ہائی ٹچ سطحوں کو صاف کریں:** گھروں میں ہائی ٹچ سطحوں مثلاً دروازے کی کنڈیاں، لائٹ کی بٹنیں، ریموٹ اور کی بورڈ وغیرہ کو باقاعدگی سے صاف اور جراثیم سے پاک رکھیں۔

ایم آئی ایس-سی کوئی وبائی یعنی کسی دوسرے کو متاثر کرنے والی بیماری نہیں ہے۔ لیکن اس بات کا امکان ہے کہ بچوں کو کووڈ-19 وائرس یا کسی اور قسم کا پھیلنے والا انفیکشن ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اسپتال میں بچوں کی دیکھ بھال کے دوران انفیکشن کو کنٹرول کرنے کے لیے قدم اٹھائے جا سکتے ہیں۔

■

Dr. Ahfazul Haque Ansari
'Pasban', Near Nagar panchayat Office
Teacher's Colony, New Yerkheda
Kamptee-441001, Dist. Nagpur (MS)
Mob.: 9890617355
ahfazulhaqueansari@gmail.com

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل سے شائع ہونے والی تازہ مطبوعات ایک تربیتی ورکشاپ کا نتیجہ ہیں۔ اس ورکشاپ میں تخلیق کاروں کے ساتھ نوعمر بچوں کو بھی مدعو کیا گیا تھا، جنھوں نے کہانیاں سننے کے بعد اپنے تاثرات کا بھی اظہار کیا۔ درج ذیل کتاب پر یہ تبصرہ بھی ورکشاپ میں شامل ایک طالب علم کی کاوش ہے ، جسے بچوں کی حوصلہ افزائی کے لیے شامل اشاعت کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

حیرت انگیز کارنامہ

مصنف: نعیمہ جعفری پاشا

صفحات: 16، قیمت: 25/روپے، سنہ اشاعت: 2025

ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

مبصر: ام حبیبہ، D-133، جوہر باغ، جامعہ اسٹاف کوارٹر، نئی دہلی۔25

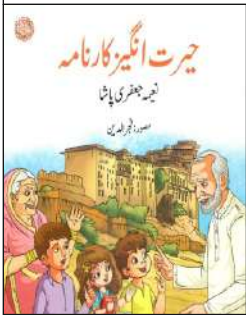

زیر نظر کہانی راجستھان کی چھوٹی سی ریاست ٹونک کے ذکر پر مبنی ہے جو بناس ندی کے کنارے واقع ہے۔

کہانی کی مصنفہ نعیمہ جعفری پاشا ہیں جس میں انھوں نے مکالمے کے ذریعے ہندوستان کی اہم شخصیات اور تاریخی مقامات سے روشناس کرایا ہے۔ کہانی کا اصل موضوع تاریخ کی شخصیات سے بچوں کو روبرو کروانا اور ان کے حیرت انگیز کارناموں پر روشنی ڈالنا ہے۔

کہانی کی شروعات گھر کے عام ماحول سے کی گئی ہے کہ اس بار گرمی کی چھٹیوں میں گھومنے کہاں جایا جائے۔ اس کہانی میں بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ گرمی کی چھٹی نہ صرف بچوں کے لیے خوشی کا سبب ہوتی ہے بلکہ گھر کے بڑے بھی ان دنوں کو نعمت سمجھتے ہیں۔ اس کہانی میں بتایا گیا ہے کہ بچوں کی پھپھی جان نے اپنی رائے دی کہ اس بار بچے گرمی کی چھٹیوں میں ٹونک آجائیں لیکن بچے اس جگہ نہیں جانا چاہتے تھے۔ بچوں کی اس ردوکد کو دیکھتے ہوتے پھپھی جان نے بچوں کے والد سے کہا کے یہ تمھارا فرض ہے کہ تم بچوں کو پہاڑ، ندی سے کچھ ہٹ کر کوئی جگہ دکھاؤ اور ٹونک جیسا تاریخی شہر اور کہاں ملے گا۔ بچے راجستھان میں ہی جے پور کے محلات، جودھپور، ماؤنٹ ابو وغیرہ کی سیر کرنا چاہتے تھے۔ اس کے بعد آخری فیصلہ ان کے والد صاحب کا تھا جو شام میں آکر بچوں سے بولتے ہیں کہ اس بار ہم راجستھان کے خاص خاص شہروں کی سیر کروائیں گے لیکن شروعات اور آخر میں ٹونک جائیں گے۔

ابا کے اس فیصلے سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے بچوں کا دل بھی نہیں مارا اور اپنی بہن کی بات کا بھی مان رکھا۔ اس کے علاوہ والد صاحب نے کہا کہ ابھی انھیں سرکاری کام سے چھٹی نہیں ملے گی آخری دس دن میں وہ انھیں گھما لائیں گے۔

کہانی کا اہم پہلو ٹونک کا ذکر ہے جس کی بنیاد امیر خان نے رکھی تھی۔ مصنفہ لکھتی ہیں امیر خاں ایک افغانی سپاہی تھے اور انھوں نے انگریزوں کے خلاف کئی راجاؤں کی مدد کی اور کہا جاتا ہے کہ ٹیپو سلطان کے بعد امیر خان انگریزوں سے سب سے زیادہ نفرت کرتے تھے۔ انگریزوں نے انھیں Most Notorious for British Empire In India یعنی ہندوستان میں برطانوی حکومت کا سب سے خطرناک دشمن۔ اس طرح کہانی میں قاری کو اس شخصیت سے روبرو کروایا گیا ہے جسے بہت کم لوگ جانتے ہیں۔

اس کے بعد گھومنے کا سلسلہ شروع ہوا تو سب سے

پہلے وہ لوگ ٹونک گئے جیسا کے والد صاحب نے کہا تھا وہاں ان کی پھپھی نے خوب خاطر داری کی اور پھر بچے سیر کے لیے نکلے۔ اس دوران انھوں نے تالاب، رگھوناتھ جی کا مندر، قلعے دیکھے، ساتھ ساتھ تاریخی عمارتیں بھی دیکھیں جوفن اور تعمیرات کا عمدہ نمونہ تھیں۔ اس کہانی میں مصنفہ نے تفصیل سے جگہوں کے نام اور اپنے محسوس کیے ہوئے پل کو بیان کیا ہے۔

اس کے بعد کہانی کا سب سے بہترین پہلو شروع ہوتا ہے جب بچے رضیہ کے مزار پر گئے وہاں بچوں کے توقع کے مطابق شاندار مزار نہیں تھا یہاں پہنچ کر بچوں کی بوریت عروج پر تھی۔

گھر لوٹنے سے پہلے وہ واپس ٹونک آ گئے اور پھپھی سے پوچھا کہ ان کی قبر کی حالت اتنی خراب کیوں ہے۔ پھر اس کہانی میں بتایا گیا ہے کہ رضیہ سلطان کا بھائی رکن الدین جو بادشاہ بننا چاہتا تھا۔ اس نے رضیہ سے جنگ کی۔ جنگ کے دوران رضیہ ٹونک آ گئی تھی اور اپنے سپاہیوں کے ساتھ یہاں چھپ گئی تھی۔ مگر اس کے بھائی کے سپاہیوں نے رضیہ کو قتل کر دیا اور جو کچھ سپاہی باقی تھے انھیں ڈر تھا کہ لاشوں کی بے حرمتی نہ کی جائے انھوں نے خفیہ طور پر ان کو یہاں دفن کیا۔

اس کے بعد بچوں نے پھر سوال کیا ہم کیسے مان لیں کے یہ رضیہ سلطان کی قبر ہے اس کے بعد پھپھی جان بچوں کو قبر کے پاس لے گئیں اور انھوں نے رضیہ کی قبر کے پاس جا کر بچوں سے کہا دھیان سے دیکھو کیا لکھا ہے دھیان سے دیکھنے پر معلوم ہوا۔ وہاں اردو میں 'شہنشاہ ہند رضیہ سلطان' لکھا ہے۔

کہانی کا عنوان 'حیرت انگیز کارنامہ' شاید اسی وجہ سے رکھا گیا ہے کہ کس طرح رضیہ سلطان کی قبر کو خفیہ طریقے سے نشاندہی کی ہے اور اس زمانے کے کاریگروں کی کاریگری کو دکھایا گیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس کہانی کا عنوان امیر خان کے کارناموں پر بھی رکھا گیا ہے کہ کس طرح انھوں نے انگریزوں کے خلاف راجاؤں کی مدد کی اور شاندار قلعے باغات اور مسجد وغیرہ بنوائی۔

کہانی کے مکالمے اور زبان کی بات کی جائے تو اس کہانی کو سادہ اور آسان زبان میں لکھا گیا ہے۔ اس کہانی میں زبردست مکالمے کا عنصر بھی موجود ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ مصنفہ کا انداز تحریر سادہ عام فہم اور اثر انگیز ہے۔ ساتھ ہی ساتھ کہانی کے ہر پہلو اور کرداروں کو تفصیل اور باریکی سے پیش کیا گیا ہے۔ واقعہ کی وضاحت اچھے سے کی گئی ہے البتہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مصنفہ نے اپنے سامنے دیکھا حال بیان کیا ہے اور اپنی زندگی کے ہی پہلو کو دکھایا ہے۔

ہر کہانی کے دو پہلو ہوتے ہیں اچھے اور برے اس کہانی کا سب سے اچھا پہلو یہ ہے کہ قاری کا تجسس برقرار رہتا ہے۔ پڑھنے والا مسلسل یہ سوچتا رہتا ہے کہ آگے کیا ہوگا جو اس کہانی کی کامیابی کی دلیل ہے۔ اس کو پڑھتے وقت معلوم ہوتا ہے کہ ہم خود اس جگہ کی سیر کر رہے ہیں اور ہم اس کہانی کے کردار ہیں۔

کہانی کا سب سے اچھا پہلو آخر کا حصہ لگا جب بچے خفیہ نشاندہی دیکھ کر حیران ہو گئے کہ کس طرح اس وقت کے کاریگروں نے حیرت کر دینے والے کام انجام دیے ہیں۔ اور رضیہ کی قبر کی خفیہ نشاندہی کہ تاکہ دشمن انھیں ڈھونڈ نا لیں۔ اس کے علاوہ امیر خان کی شخصیت جسے کافی کم لوگ جانتے ہیں۔ اس کہانی میں دلچسپ انداز میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح وہ انگریزوں کے خلاف تھے اور بہترین آرکیٹیکٹ تھے۔

ان دونوں کی شخصیت کے علاوہ پھپھی کا کردار بھی متاثر کرنے والا محسوس ہوا۔

آخر میں یہ کہانی ایک بہترین کہانی ہے جو تاریخ کی اہم شخصیتوں پر مبنی ہے۔ بچوں کے لحاظ سے یہ ایک دلچسپ کہانی ہے اور قاری اس کہانی کے ذریعے راجستھان اور ٹونک کا سفر کر لیتا ہے۔

■

Umme Habeeba
D-133, Johar Bagh,
Jamia Staff Quarter
New Delhi- 110025

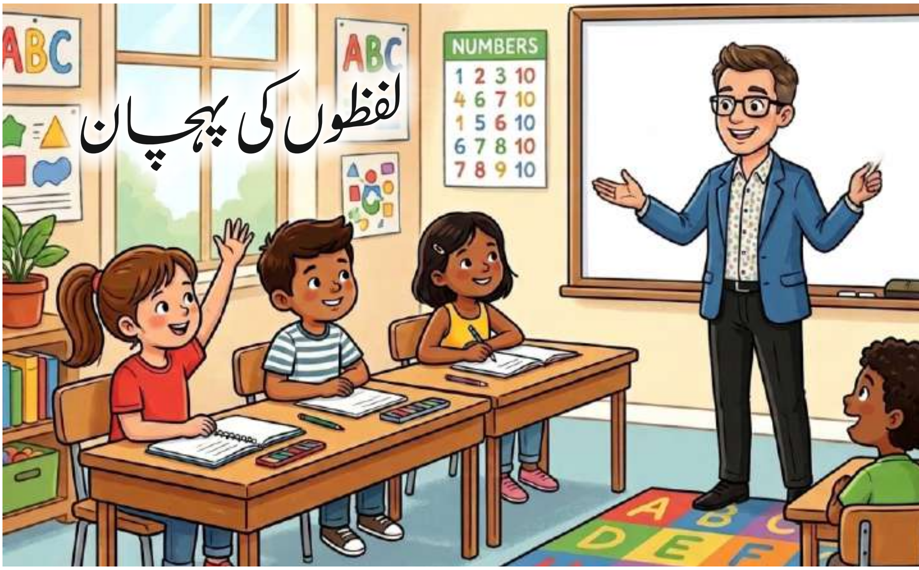

لفظوں کی پہچان

محمد اسداللہ

ایک ہاتھ پر چار گھڑیاں بندھی ہوئی ہیں اور کوئی پوچھ رہا ہے کہ یہ سب ایک ہی وقت بتا رہی ہیں تو ان چار گھڑیوں کی کیا ضرورت ہے، ایک ہی کافی ہے... آپ نے یہ اشتہار ضرور دیکھا ہوگا۔ اسی طرح لوگوں کی بات چیت میں یا کتابوں میں کئی ایسے الفاظ مل جاتے ہیں جن کے معنی یکساں ہوتے ہیں۔ یہاں یہ سوال پوچھا جاسکتا ہے کہ جب دونوں لفظوں کے ایک ہی معنی ہیں تو ایک کو ہٹا کیوں نہیں دیتے؟ مثلاً دنیا، جہاں اور عالم۔ اردو فارسی اور عربی کے یہ تینوں الفاظ ہماری زبان میں الگ الگ موقعوں پر ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ آپ چاہیں تو اسی معنی میں، ان میں کوئی بھی لفظ استعمال کر سکتے ہیں لیکن یکساں معنی رکھنے کے باوجود ہر لفظ کا اپنا فائدہ، ضرورت اور استعمال کا موقع محل ہے۔ بعض الفاظ ایسے بھی ہیں جن کے معنی یکساں معلوم ہونے کے باوجود ان میں مفہوم اور استعمال کے اعتبار سے کچھ فرق پایا جاتا ہے۔ آیئے اس قسم کے چند الفاظ کے بارے میں بات کریں۔

ادب اور ادب

ایک دن کلاس میں اردو کے استاد نے طلبہ سے پوچھا: 'ادب' کے کیا معنی ہیں؟ کسی طالبِ علم نے جواب دیا، 'ادب' کے معنی ہیں عزت واحترام، جیسے ہم اپنے بزرگوں، والدین اور اساتذہ کا ادب کرتے ہیں۔

'اچھا، یہ بتایئے 'اردو ادب' کے کیا معنی ہیں؟ آپ کی درسی کتاب میں جو کچھ ہے وہ اردو ادب ہے۔'

اس دوسرے سوال کے جواب میں کسی نے کہا: سر ہم اردو زبان کا ادب کرتے ہیں، اس لیے اسے اردو ادب کہا جاتا ہے۔ یہ سن کر استاد مسکرائے بغیر نہ رہ سکے، پھر انھوں نے بتایا کہ ادب کے پہلے معنی جو آپ نے بتائے بالکل صحیح ہیں لیکن دوسری بات غلط ہے۔ عام طور پر کسی زبان کے ادب سے مراد وہ تحریریں اور تخلیقات ہیں جو نثر یا نظم میں لکھی گئی ہوں۔ آپ کی درسی کتاب میں شامل نظمیں، قصیدے، مرثیے، رباعیاں، افسانے، کہانیاں، ڈرامے، مضامین، خاکے سب ادب پارے ہیں۔

ہے اور ہیں

1. ہم دونوں کھیل رہے ہے۔
2. کیا آپ کھانا کھا چکے ہے؟
3. یہ میرے دادا ہے۔
4. میز پر تین کتابیں ہے۔

اگر اس قسم کے جملے آپ نے سنے ہیں یا کہیں پڑھے ہیں، تو سمجھ لیجیے کہ لکھنے یا بولنے والا اردو زبان اچھی طرح نہیں جانتا۔ وہ قواعد (گرامر) میں بہت کمزور ہے۔ ہم کئی لوگوں کو اپنی بات چیت میں 'ہے' اور 'ہیں'، ان لفظوں کا استعمال کرتے ہوئے دیکھتے ہیں اور سنتے ہیں۔ اردو نہ جاننے والے اس دوران کئی غلطیاں کر جاتے ہیں۔ مندرجہ بالا تینوں جملوں میں 'ہے' کے بجائے 'ہیں' استعمال کیا جائے گا۔ کسی ایک شخص یا چیز یعنی واحد کے لیے 'ہے' اور ایک سے زیادہ یعنی جمع کے لیے 'ہیں'۔ دوسرے اور تیسرے جملے میں 'دادا' اور 'آپ' واحد ہو ہونے کے باوجود ان کے لیے لفظ 'ہیں'، احترام کے طور پر استعمال کیا جائے گا۔ واحد اور جمع کے لیے ان لفظوں کے استعمال کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

1. یہ عمارت بہت خوبصورت ہے۔ (واحد)
   یہ عمارتیں بہت خوبصورت ہیں۔ (جمع)۔
2. یہاں پھلوں کی ایک دکان ہے۔ (واحد)
   یہاں پھلوں کی کئی دکانیں ہیں۔ (جمع)۔
3. یہ میرا چھوٹا بھائی ہے۔ (واحد)
4. یہ سب میرے دوست ہیں۔ (جمع)۔

مکان اور گھر

اردو کے شاعر افتخار عارف کا مشہور شعر ہے۔

میرے خدا مجھے اتنا تو معتبر کر دے
میں جس مکان میں رہتا ہوں اس کو گھر کر دے

شعر کا انداز بتا رہا ہے کہ مکان اور گھر دو مختلف چیزیں ہیں۔ حالانکہ ہم انھیں ایک ہی معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ انسان ہی کی طرح لفظ گھر بھی اپنے اندر وسیع معنی رکھتا ہے۔ ان دونوں الفاظ کے فرق کو اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے۔

مکان

یوں تو مکان کے معنی لغت میں 'رہنے کی جگہ' ہے۔ اس سے مراد رہائش کے لیے بنائی گئی عمارت یا عمارت کا ڈھانچہ ہے۔ یہ ایک مادّی چیز ہے جس کے ساتھ ہمارا کوئی خاص روحانی یا جذباتی لگاؤ نہیں ہوتا۔ انگریزی میں اسے ہاؤس House کہتے ہیں۔ فلسفے کی ایک اصطلاح ہے 'زماں ومکاں' اس میں مکاں سے مراد جگہ (Place) ہے۔

گھر

گھر صرف رہائش کا مقام نہیں بلکہ وہ جگہ ہے جس سے ہمیں دلی لگاؤ ہوتا ہے۔ گھر سے سماجی تعلقات اور خاندانی روایات کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ اس سے بننے والا لفظ 'گھرانہ' بھی اس کی خاندانی حیثیت کو ظاہر کرتا ہے۔ گھر کے بارے میں خیال آتے ہی وہاں رہنے والوں کی محبت واپنائیت، وہاں کے طور طریقے، تہذیب، رکھ رکھاؤ، گھر سے جڑی ہوئی یادیں اور جذباتی تعلقات کا ایک خوشگوار تصور ہمیں اس جگہ کی طرف کھینچنے لگتا ہے۔

عیادت اور تعزیت

ایک دن ہمارے دوست رضوان نے کہا، ہمارے ایک چاچا پڑوس میں رہتے ہیں، وہ کئی دنوں سے بیمار ہیں چلو! ذرا ان سے مل آئیں۔ ہم ساتھ ہو لیے۔ وہاں پہنچ کر

سلام کیا اور خیریت دریافت کی اس کے بعد رضوان نے چھوٹتے ہی کہا: چچا جان ہم آپ کی تعزیت کے لیے آئے ہیں۔ یہ سن کر چچا جان اور وہاں بیٹھے تمام لوگ چونک پڑے۔ ہم نے رضوان کا ہاتھ زور سے دبایا اور کان میں دھیرے سے کہا: تعزیت نہیں عیادت کہو۔ شکر ہے کہ وہ فوراً سنبھل گئے اور کہا معاف کیجیے، عیادت کے لیے آئے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد ان کے گھر سے باہر نکل کر ہم نے رضوان کو سمجھایا کہ کیا غضب کرتے ہو۔ تعزیت تو اس وقت کی جاتی ہے جب کسی کا انتقال ہوجائے۔ جب ہم کسی مریض کو دیکھنے یعنی بیمار پرسی کے لیے جاتے ہیں تو اسے عیادت کہتے ہیں۔ غرض ان دونوں الفاظ کو ہمیں سوچ سمجھ کر استعمال کرنا چاہیے۔

ذلیل اور جلیل

ایک دن ایک صاحب نے مجھے اپنے دوست سے ملوایا۔ ان کا تعارف کرواتے ہوئے وہ کہنے لگے: 'ان سے ملیے، یہ ہیں میرے دوست ذلیل۔'

یہ سن کر میں نے پوچھا: یہ ان کا نام ہے یا...؟

'اجی ان کا نام ہی ذلیل ہے۔'

'نام کیسے ذلیل ہوگا۔ ان کا نام عبدالجلیل ہوگا۔'

'ہاں ہاں وہی وہی۔'

اپنے غلط تلفظ کے سبب انھوں نے ایک اچھے خاصے باعزت آدمی کو ذلیل کر دیا۔

ذلیل کے معنی ہیں۔ بدنام، کمینہ، بے عزت اور جلیل کے معنی ہیں بڑا، بزرگ، یہ خدا کا ایک صفاتی نام ہے۔

لوگ ناموں کو اور اکثر الفاظ کو بھی غلط طرح سے استعمال کرتے ہیں اور سننے والوں کی نظر سے گر جاتے ہیں۔ سننے والے کو پتہ چل جاتا ہے کہ آں جناب کو اردو نہیں آتی۔ یہ زبان، ادب اور سلیقے سے ناواقف ہیں۔

■

Muhammad Asadullah
30 Gulistan Colony
Near Pande Lawns
Nagpur- 440013 (Maharashtra)
Mob.: 9579591149
zarnigar2006@gmail.com

سید بدر الحسن

ملتے جلتے الفاظ

اَبَد: اَ+بَد=(ذ)= ہمیشہ (آئندہ)۔

عَبد= عَب+ د= (ذ) = بندہ غلام۔

اَثاث= اَ+ثَا+ ث= (ذ)= سامان۔

اِساس= ا+سَا+س= (ث) = بنیاد، جڑ، اصل۔

اِحرَام= اِح+رَا+م= (ذ)=حج کے وقت پہنا جانے والا کپڑا۔

اَھرَام= اَہ+ رَا+م= (ذ)= مصر کے قدیم مقبرے۔

اِذکَار= اِذ+کَا+ر= (ذ)= خدا کے نام کا ذکر کرنا۔

اَذکار= اَذ+کا+ر= (ذ)= ذکر کی جمع۔

اِسرَاف= اِس+ رَا+ ف= (ذ)= فضول خرچی۔

اِصرَاف= اِص+رَا+ف= (ذ)= خرچ کرنا۔

آرا= آ+ رَا= (ذ)= لکڑی یا لوہا وغیرہ چیرنے کا آلہ۔

آراء= آ+ رَا= ء= (ث)= رائے کی جمع۔

اَربع= اَر+بَع= چار= (برائے مونث)

اَربَعَہ= اَر+ بَ+عَہ= چار= (برائے مذکر)

اَرض= اَر+ض= (ث)= زمین۔

عَرض= عَر+ض= (ذ)= چوڑائی۔

آرِی= آ+رِی= (ث)= لکڑی یا کوئی دھات کاٹنے کا اوزار۔

عارِی=عَا+رِی= عاجز۔

اَسَد= اَ+سَد= (ذ) = شیر۔

اَسعَد= اَس+عَد= تعداد سعد، زیادہ مبارک۔

آسِی= آ+سِی= امیدوار۔

عَاصِی= عَا+صِی= (ذ)= گناہ گار (مرد)

اِشکال= اِش+ کا+ل= (ذ) غیر واضح، شک۔

اَشکال= اَش+کا+ل= (ث)= شکل کی جمع۔

اَصل = اَص+ل= (ث)= جڑ، مادّہ، بنیاد

عَسَل= عَ+سَل= (ذ) = شہد۔

اِعراب= اِع+ رَا+ ب= زیر، زبر، پیش، وغیرہ۔

اَعرَاب= اَع+رَا+ب =(ذ)=عرب کے دیہاتی لوگ۔

اَقرَب= اَق+ رَب= (ذ) = زیادہ قریب، رشتہ دار۔

عقرب= عَق+ رَب= (د) = بچھو۔

اَلَم= اَ+لَم= (ذ)=رنج،غم۔

عِلم= عِل+م = (ذ)= واقفیت، جاننا۔

عَلَم= عَ+لَم= (ذ)= جھنڈا۔

آم= آ+م= (ذ)= ایک مشہور پھل۔

عَام= عَا+م= معمولی۔

اِمَارَت= اِ+مَا+ رَت= (ث) = حکومت، سلطنت۔

عِمَارَت= عِ+مَا+رَت= (ث)= تعمیر شدہ جائیداد۔

آمِر= آ+مِر= (ذ)= حاکم، حکم دینے والا۔

عَامِر= عَا+مِر= (ذ)= آباد کرنے والا، ایک نام۔

اِنس= اِن+س= (ذ)= انسان۔

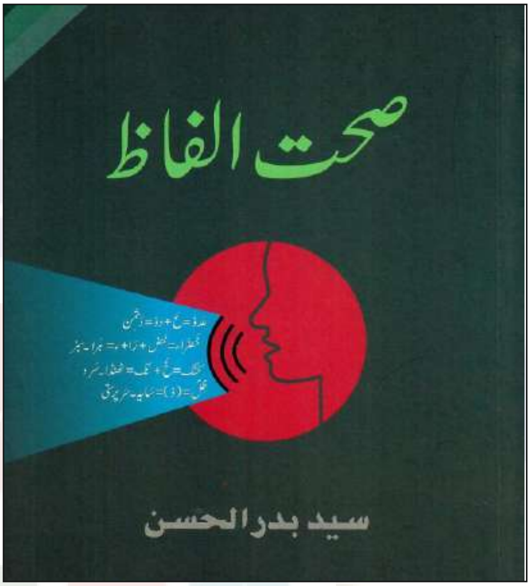

اُنس= اُن+س= (ذ)= محبت، رغبت، پیار۔

اَنَس= اَ+نَس= (ذ)= ایک نام۔

اَیال= اَ+ یا+ ل= گھوڑے کی گردن کے بال۔

عِیال= عِ+ یَا+ ل= (ذ)= بیوی بچے، اہل خانہ۔

بَاز= بَا+ ز+ (ذ) = ایک شکاری پرند۔

بَعض= بَع+ ض= چند، کچھ۔

بَرَس= بَ+رَس= (ذ)= سال۔

بَرص= بَر+ص= (ث)= سفید داغوں کی بیماری۔

بَعد= بَع+د= آخر، پیچھے۔

بُعد= بُع+ د= (ذ) = فاصلہ، دوری۔

بُوجھ= بُو+جھ= (ذ) = وزن۔

بوُجھ= بوُ+جھ= (ث)= پہیلی کا حل۔

بَھرا= بَھ+ رَا= (ذ) جس کو سنائی نہ دیتا ہو۔

بَھرہ= بَھ+رَہ= (ذ) = فائدہ۔

بَیت= بَے+ت= (ث)= ایک شعر، مکان، گھر۔

بَیعَت= بَے+عَت= (ث)= اطاعت کا عہد۔

بِیر= بِے+ر= (ذ)= ایک پھل۔

بَیر= بَے+ ر= (ذ)= دشمنی، عداوت۔

بِیرِی= بِے+رِی= (ث)= بیر کا درخت۔

بَیری= بَے+رِی= (ث)= دشمن۔

بَیضا= بَے+ ضا= (ذ)= اجلا، سفید۔

بَیضہ= بَے+ ضَہ= (ذ)= انڈا۔

بِیل= بِے+ل= (ث)= پودے کی ایک قسم۔

بَیل= بَے+ل= (ذ)= گائے کا نر۔

پَارا= پَا+رَا= (ذ)= سیماب۔

پَارَہ= پَا+رَہ= (ذ)= ٹکڑا۔

پَتَا= یا پَتَہ= پَ+تا۔یا۔پَ+تہ= (ذ)= جگہ۔ مقام، نشان۔

پَتّا= پَت+تا= (ذ)= برگ، پات۔کان میں پہننے کا زیور۔

تَابِع= تَابع= ماتحت۔

طَابِع= طَا+بِع= چھاپنے والا۔

تَکیا= تَک+یَا= (ذ)= قبرستان۔

تَکیہ= تَک+یَہ= (ذ)= سر ٹکانے کی چیز، بھروسا، قبر کا سرہانا۔

تَنا= تَ+نَا= تننا کا فعل ماضی۔

تَنَہ= تَ+نَہ= (ذ)= درخت کا نچلا حصہ۔

تَاجِیل= تا+جِی+ل= مہلت دینا۔

تعجِیل- تَع+جِی+ل= (ث)= جلدی، عجلت کرنا۔

تخیِیل= تخ+یِی+ل= خیال کرنا (مصدر)

تَخیُّل= تَ+ خَے+یُل= (ذ)= خیال، قوت خیال۔

■

ماخذ: صحت الفاظ: **مصنف:** سید بدرالحسن، **چھٹی طباعت:** 2014، **ناشر:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات

جنرل نالج بچوں کے کیریئر اور مستقبل سازی کے لیے بہت ضروری ہے۔ جنرل نالج پوری دنیا سے جوڑنے کا ایک مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ اسی کے ذریعے مسابقہ جاتی امتحانات میں کامیابی کے دروازے کھلتے ہیں، اس لیے بچے اگر ابھی سے تاریخ، ادب و ثقافت، سماج اور سائنس کے موضوعات اور معلومات پر اپنی توجہ مرکوز کریں تو مستقبل میں ان کے لیے راہیں آسان ہو جائیں گی۔ (ادارہ)

1. زمین کی کشش ثقل (Gravity) کس نے دریافت کی؟
2. پودے اپنی خوراک کیسے بناتے ہیں؟
3. کون سا جانور اپنی لمبی گردن کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے؟
4. سرسوں کے پودے کا سائنسی نام کیا ہے؟
5. قدیم زمانے میں لوگ پیغام بھیجنے کے لیے کس پرندے کا استعمال کرتے تھے؟
6. ہندوستان کی سب سے بڑی فلمی صنعت کون سی ہے؟
7. ہندوستان میں سب سے زیادہ ملازمت فراہم کرانے والا کون سا شعبہ ہے؟
8. ہندوستان کا قومی پرندہ کون سا ہے؟
9. آئی پی ایل میں لگاتار دو مرتبہ خطاب جیتنے والی ٹیمیں کون سی ہیں؟
10. ہندوستانی خواتین کرکٹ ٹیم نے ورلڈ کپ کرکٹ کا خطاب کب حاصل کیا ہے؟
11. آئی پی ایل کے ایک سیزن میں سب سے زیادہ چھکّے کس کھلاڑی نے لگائے ہیں؟
12. ہندوستانی سنیما میں ٹریجڈی کنگ کا خطاب کسے حاصل ہے؟
13. CBSE کا فل فارم بتائیں؟
14. ہندوستان میں چائے کی پیداوار سب سے زیادہ کس ریاست میں ہے؟
15. مشہور نظم 'برکھارت' کس شاعر نے لکھی ہے؟
16. ناول 'گئودان' کے مصنف کا نام بتائیں؟
17. فورٹ ولیم کالج کا قیام کب عمل میں آیا تھا؟
18. ہندوستان کی پہلی بولتی فلم کون سی ہے؟
19. ہندوستان کا قومی جانور کون سا ہے؟
20. IIT کا فل فارم بتائیں؟

(جواب صفحہ نمبر 46 پر ملاحظہ فرمائیں)

ادیبہ معز سید

سیلفی کے فوائد و نقصانات

زمانے تو بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی ریڈیو کا زمانہ تھا، پھر ٹی وی کا زمانہ آیا، اب اسمارٹ فون نے ان کی جگہ لے لی ہے۔ آج دُنیا بھر میں اربوں لوگ اس فون کو استعمال کر رہے ہیں۔ ہمارے ملک بھارت میں بھی تقریباً 70 کروڑ لوگ اسمارٹ فون استعمال کرتے ہیں۔ اسمارٹ فون میں ہر روز نت نئی تبدیلیاں ہورہی ہیں۔ نئے نئے فیچرز اس کا حصّہ بن رہے ہیں۔ سیلفی بھی اسمارٹ فون کی ایک دلچسپ خصوصیت ہے۔

آج کل سیلفی لینے کا شوق پوری دُنیا میں پھیل چکا ہے۔ بچے، بوڑھے نوجوان سب میں سیلفی لینے کا رجحان بڑھ گیا ہے۔ دوستوں کے ساتھ، کسی تقریب میں، اسکول کالج کے جلسوں میں، اپنی پسندیدہ شخصیت، لیڈر، یا استاد کے ساتھ سیلفی لینا لوگ پسند کرتے ہیں۔ اس طرح سیلفی ہمارے خوشگوار لمحات کو یادگار بناتی ہے۔ یہ لمحات زندگی بھر کے لیے کیمرے میں قید ہوجاتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ دُنیا کے بڑے بڑے رہنما بھی کئی موقعوں پر سیلفی لیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اب تو تقریبات کے موقع پر سیلفی پوائنٹ بھی بنائے جاتے ہیں۔ جو دیدہ زیب اور دلکش ہوتے ہیں۔

یہ بات بھی ہمیں سمجھ لینا چاہیے کہ سیلفی کا تصور موبائل فون سے جڑا ہوا ہے۔ اپنی تصویر خود لینے کا خیال بہت پرانا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ 1839 میں امریکی فوٹو گرافر رابرٹ کارنیلیس نے سب سے پہلے دنیا کی سیلف پورٹریٹ تصویر کھینچی تھی۔ اس زمانے میں کیمرے بڑے اور پیچیدہ ہوتے تھے۔ اپنی خود کی تصویر لینا آسان کام نہیں تھا۔ یہ تصویر دنیا کی پہلی سیلفی کہلائی جاتی ہے۔

سیلفی کے ساتھ کئی دلچسپ عالمی ریکارڈ بھی قائم ہوئے ہیں۔ جیسے سنہ 2014 میں آسکر فلم ایوارڈ میں ہالی ووڈ کے اداکاروں نے ایک گروپ سیلفی یا گروپی لی تھی جو سوشل میڈیا پر شیئر کی گئی۔ مختصر دورانیے میں لاکھوں بار اسے شیر کیا گیا۔ اسے 30 لاکھ سے زیادہ مرتبہ ٹویٹ کیا گیا۔ سنہ 2015 میں بنگلہ دیش میں ہزاروں لوگوں نے ایک ساتھ آکر گروپ سیلفی لی جسے دنیا کی سب سے بڑی

سیلفی ہونے کا ریکارڈ درج کیا گیا۔ ہالی ووڈ کے مشہور اداکار اوین جانسن نے ایک عجیب وغریب ریکارڈ قائم کیا۔ اپنی فلم کے پیریمیئر کے دوران انھوں نے صرف 3 منٹ میں 105 سیلفیاں لے کر عالمی ریکارڈ قائم کیا۔

سیلفی کے کئی فائدے بھی ہیں۔ اس سے لوگوں کے ساتھ ہمارے تعلقات استوار ہوتے ہیں۔ سوشل میڈیا پر رابطہ بڑھتا ہے۔ ہماری پہچان اور شہرت میں اضافہ ہوتا ہے۔ ایک تحقیق کے مطابق دنیا بھر میں ہر روز تقریباً 9 کروڑ سے زیادہ سیلفیاں لی جاتی ہیں اور سوشل میڈیا پر اپلوڈ بھی کی جاتی ہیں۔

سیلفی کے کچھ نقصانات بھی ہیں۔ سیلفی کے شوق میں لوگ خطرناک مقامات پر چلے جاتے ہیں۔ جیسے اونچی عمارتوں کی چھتیں، دریا کے کنارے، سڑک کے بیچوں بیچ، ریل کی پٹریاں یا پہاڑوں کی بلند و بالا چوٹیاں، سیلفی لیتے ہوئے تھوڑی غلطی بھی جان کے لیے خطرہ بن سکتی ہے۔ ایک عالمی رپورٹ کے مطابق دنیا بھر میں سال 2011 سے 2022 کے درمیان تقریباً 350 افراد کی سیلفی لیتے ہوئے حادثے کا شکار ہونے پر موت واقع ہوئی ہے۔ اس لیے سیلفی لیتے وقت احتیاط ضروری ہے۔

سیلفی کا حد سے زیادہ شوق بعض اوقات اڈیکشن بن جاتا ہے۔ جو ایک نفسیاتی بیماری کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ ایسے لوگ بار بار اپنی تصویر لینے اور اسے سوشل میڈیا پر اپلوڈ کرنے کے عادی ہوتے جاتے ہیں۔ ساتھ ہی کتنے لوگوں نے دیکھا، پسند کیا اسے لے کر غیر معمولی تناؤ کا بھی شکار ہو جاتے ہیں۔ اس عادت سے بچنے کے لیے ہمیں اسمارٹ فون کا استعمال اسمارٹ طریقے سے کرنا چاہیے۔

سیلفی لینا ایک دلچسپ اور خوشگوار سرگرمی ہے لیکن اسے احتیاط اور ذمہ داری سے انجام دینا چاہیے۔ یاد رکھیے زندگی قیمتی ہے اور اسے ایک تصویر کے لیے خطرے میں ڈالنا دانشمندی نہیں ہے۔

■

Adeeba Moiz Sayyed
Class IX, Zila Parishad Urdu Primary
wa High School, Lumbay Jalgaon
Talluqa Gangapur
Distt: Chatarpati Sambhaji Nagar- 431133
Mob.: 9881134711
adibamoizpatel@gmail.com

صادقہ مجاہد، درجہ ششم، دہلی پبلک اسکول، دہلی

ام کلثوم، درجہ دہم، راجکیہ ہائی اسکول، مصطفیٰ آباد، جرول، بہرائچ، یوپی

مریم اعجاز درجہ ہفتم، سخاوت میموریل گورنمنٹ گرلس ہائی اسکول
کولکاتا، مغربی بنگال

شافیہ رحمٰن، درجہ پنجم، مدرسۃ البنات الاسلامیہ، نور نگر، نئی دہلی

شفا رحمٰن، درجہ چہارم، مدرسۃ البنات الاسلامیہ، نور نگر، نئی دہلی

عمر مجاہد، دہلی پبلک اسکول، دہلی

محمد عبداللہ انصاری، درجہ کے جی II، انڈل ماڈل اسکول
پچھّم بردھمان، ضلع اندل، مغربی بنگال

عبدالحسن ذیشان، درجہ پنجم اے، سید عابد حسین سینئر سیکنڈری اسکول
جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

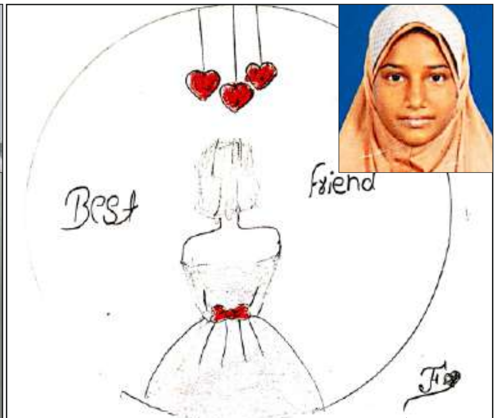

ہاشمی فرزانہ خاتون محمد حسین، بھیونڈی نظام پور
میونسپل کارپوریشن اسکول، مہاراشٹر

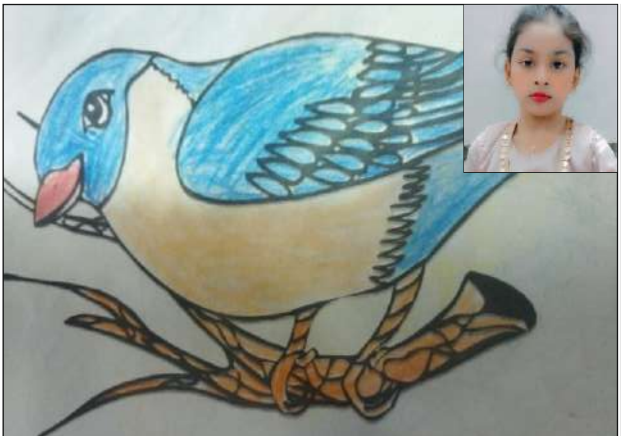

بریرہ مشہود، درجہ پنجم، بلوہلس انٹرنیشنل اسکول، بٹلہ ہاؤس، نئی دہلی

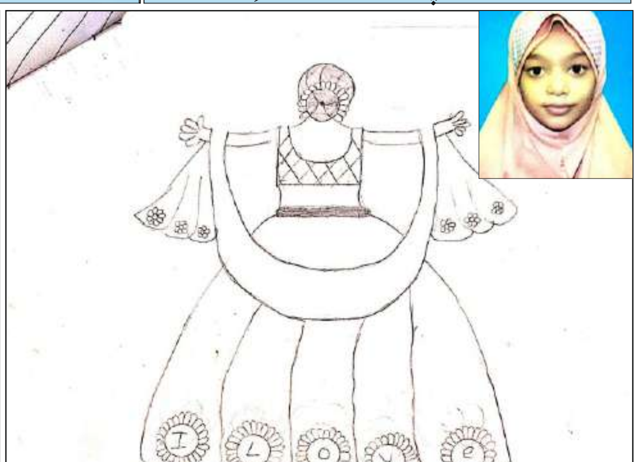

علینہ نیاز احمد مومن، درجہ پنجم، بھیونڈی نظام پور، شہر میونسپل کارپوریشن، اسکول نمبر 6، مہاراشٹر

محمد آحنف خان، درجہ نرسری، سینٹ پالس اسکول، لکھنؤ، یوپی

قلمکاروں سے چند باتیں

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' ایک مقبول رسالہ ہے جس میں بچوں کے ذہن اور نفسیات کو نظر میں رکھتے ہوئے معلوماتی مضامین، دلچسپ کہانیاں، پیاری پیاری نظمیں اور دیگر مفید تحریریں شائع کی جاتی ہیں۔ اس رسالے میں کوشش کی جاتی ہے کہ پورے ہندوستان کی نمائندگی ہو مگر بسیار کوشش کے باوجود بہت سے علاقوں کی متناسب نمائندگی نہیں ہو پاتی ہے۔ ایسے علاقوں کے ادیبوں کی جستجو ہماری ترجیحی فہرست میں شامل ہے۔

قلمکاروں سے گذارش ھے کہ بچوں کی دنیا کے لیے تحریریں بھیجتے وقت درج ذیل امور کا خاص خیال رکھیں:

- بچوں کے لیے صرف وہی تخلیق ارسال کریں جس سے ان کی معلومات اور آگہی میں اضافہ ہو، خاص طور پر وہ تحریریں جو بچوں میں مطالعے کی تحریک اور ترغیب پیدا کریں۔
- تخلیق کی زبان آسان ہو، مشکل الفاظ سے گریز کریں تو بہتر ہوگا۔
- تخلیق غیر مطبوعہ ہو۔ کسی اخبار/ مجلّے میں ارسال نہ کی گئی ہو۔
- مضمون ان پیج پروگرام میں ہو اور 1200 (بارہ سو) الفاظ سے کم اور 2000 الفاظ سے زیادہ نہ ہو۔
- مضمون کے ساتھ اپنا تعارف مع تصویر ارسال فرمائیں۔ تعارف میں بچوں کے لیے لکھی گئی کتابوں اور مضامین کا اندراج ضرور فرمائیں۔
- مضمون میں اعداد و شمار رومن میں لکھیں۔
- مضمون ادارے کے مزاج، معیار اور پالیسی کے منافی نہ ہو۔
- تخلیق کی اشاعت کے درمیان کم سے کم تین (3) ماہ کا فاصلہ لازمی ہے۔ اس سے کم مدت میں تخلیق کی اشاعت کے لیے اصرار نہ فرمائیں۔
- کسی دوسری زبان کا ترجمہ اصل متن کے ساتھ ارسال کریں اور مصنف کا اجازت نامہ بھی منسلک کریں۔
- مضمون میں پہلے یا آخری صفحے پر مضمون نگار کا نام، مکمل پتہ مع پن کوڈ (انگلش میں) اور موبائل نمبر ضروری ہے۔

مضمون کی منظوری ایڈیٹوریل ریویو کے بعد ہی دی جائے گی۔
قلمکار حضرات اخلاقی ضوابط Ethical guidelines کا پورا خیال رکھیں۔
ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کو زیادہ مفید مطلب بنانے کے لیے آپ سب کے مشوروں اور تعاون کی ضرورت ہے۔

—ادارہ

बच्चों की दुनिया मासिक, जुलाई 2026, वर्ष 14, अंक 07
BACHON KI DUNIYA Monthly, July 2026 Vol. 14, Issue: 07
National Council for Promotion of Urdu Language
Ministry of Education, Department of Higher Education, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/06/2026
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month
Total Pages: 64

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

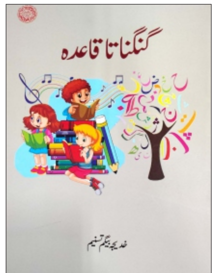

صفحات:37، قیمت:30 روپے

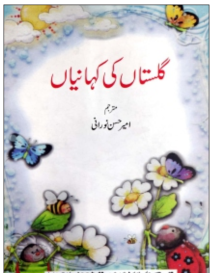

صفحات: 69، قیمت: 30 روپے

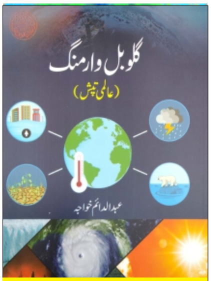

صفحات:119، قیمت: 160 روپے

صفحات: 31، قیمت: 15 روپے

صفحات: 29، قیمت: 25 روپے

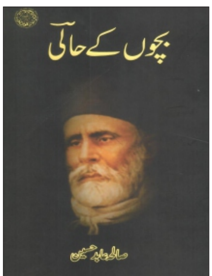

صفحات:43، قیمت: 20 روپے

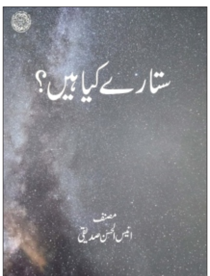

صفحات:166، قیمت: 400 روپے

صفحات : 43، قیمت:15 روپے

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون:011-26109746، فیکس:011-26108159، E-mail.: sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Md Shams Equbal, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at Makoff Printers, B - 127, Sector 65, Noida, U.P
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.